بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

جلد نمبر ۸۳   ماہ نومبر ۲۰۱۵ء مطابق محرم الحرام ۱۴۳۷ھ   شمارہ نمبر ۱۱

مدیر
خلیل الرحمان سجاد نعمانی

اس شمارہ میں

	مضامین	مضامین نگار	صفحہ نمبر
۱	نگاہِ اولیں	مدیر	۵
۲	محفل قرآن	مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی	۹
۳	قرآن کریم کا تصور فلاح	پروفیسر توقیر عالم فلاحی	۱۵
۴	مثالی داماد	حضرت مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی	۲۵
۵	ہاتف غیبی کی پکار	جناب ابوالاسرار احمد رحمی مرحوم	۳۴
۶	حضرت نانوتوی علماء اور مشائخ کی نظر میں	جناب نعمان محمد امین صاحب	۳۵
۷	اسلام کا نظریہ علم	مولوی محمد مجاہد ندوی	۴۷
۸	اپنے ہم وطن ایک ہندو سے ملاقات	مولانا ڈاکٹر محمد طلحہ ندوی	۵۴

اگر اس دائرہ میں ◯ سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ
آپ کی خریداری کی مدت ختم ہوگئی ہے براہ کرم آئندہ کے لئے چندہ ارسال فرمائیں ورنہ اگلا شمارہ بصیغہ V.P. ارسال کیا جائے گا جس میں آپ کے -/35 روپے زائد خرچ ہوں گے ۔ منیجر

ضروری اعلان

مختلف مقامات میں ماہنامہ الفرقان کی توسیع اشاعت کے لیے درج ذیل حضرات کے نام اور فون نمبر نیچے لکھے جارہے ہیں ان مقامات کے قریب و جوار کے حضرات ان سے رابطہ قائم کریں۔

فون نمبر	نام	مقام
+91-9898610513	مفتی محمد سلمان صاحب	۱۔ بڑودہ (گجرات)
+91-9226876589	مفتی حسین محفوظ صاحب	۲۔ مالیگاؤں (مہاراشٹرا)
+91-9880482120	مولانا انور صاحب	۳۔ بنگلور (کرناٹک)
+91-9960070028 +91-9326401086	قاسمی بکڈپو طٰہٰ بکڈپو	۴۔ بیڑ (مہاراشٹرا)
+91-9451846364	مکتبہ ناصر	۵۔ گورکھپور (اترپردیش)
+91-9225715159	محمد اظہر	۶۔ جالنا (مہاراشٹرا)

ناظم شعبۂ رابطہ عامہ : بلال سجاد نعمانی
E-mail: nomani_sajjadbilal@yahoo.com

☆ سالانہ زرتعاون، برائے ہندوستان: (سادہ ڈاک) عمومی Rs.200/-

☆ سالانہ زرتعاون برائے ہندوستان: (بذریعہ وی پی [1]) عمومی Rs.230/-

[1] اس صورت میں پہلے سے زرتعاون بھیجنے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ رسالہ وصول کرتے وقت ڈاکیہ کو مطلوبہ رقم ادا کرنی ہوتی ہے،
مگر خیال رہے کہ وی پی نہ وصول ہونے پر ادارہ کو Rs.40/- کا نقصان ہوتا ہے

☆ سالانہ زرتعاون برائے بیرونی ممالک (بذریعہ ہوائی جہاز) 20/- پاؤنڈ۔ 40/- ڈالر

لائف ممبر شپ: ہندوستان: سادہ ڈاک Rs.8000/-۔

بیرونی ممالک:- 600/- پاؤنڈ۔ 1200/- ڈالر۔

برطانیہ میں ترسیل زر کا پتہ :	**Mr. RAZIUR RAHMAN** 90-B HANLEY ROAD. LONDON N4 3DW U.K Fax & Phone:020 72721352. Email:furqanpublications@googlemail.com

❁ ادارہ کا مضمون نگار کی فکر سے اتفاق ہونا ضروری نہیں۔ ❁

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ

ماہنامہ الفرقان
۳۱/۱۱۴ نظیر آباد لکھنؤ۔
پن۔۲۲۶۰۱۸۔ یوپی، انڈیا۔ فون نمبر: Ph:0522-4079758

MonthlyALFURQAN
114/31, NAZIRABAD LUCKNOW
Pin-226018- U.P INDIA

e-mail : monthlyalfurqanlko@gmail.com

دفتر کے اوقات صبح ۱۰ بجے سے ۱ بجکر ۳۰ منٹ　　بعد ظہر: ۲ بجے سے ۵ بجکر ۳۰ منٹ تک

اتوار کو آفس بند رہتا ہے ۔۔۔۔۔

خلیل الرحمن سجاد نے پرنٹر پبلشر محمد حسان نعمانی نے کاکوری آفسیٹ پریس کچہری روڈ لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱/۱۱۴ نظیر آباد سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہ اولیں

مدیر

ہم مسلمانانِ ہند کا سب سے بڑا مسئلہ کیا ہے؟ کیا ہمارا سب سے بڑا مسئلہ غربت ہے؟ کیا ہمارا سب سے بڑا مسئلہ جہالت ہے؟ کیا ہمارا سب سے بڑا مسئلہ سرکاری وغیر سرکاری ملازمتوں میں اور ایوانہائے قانون ساز میں ہماری نمائندگی کی کمی ہے؟ کیا ہمارا سب سے بڑا مسئلہ فرقہ وارانہ فسادات ہیں؟

ہم مانتے ہیں کہ یہ مسائل یقیناً قابل توجہ ہیں، لیکن ہمیں پختہ یقین ہے کہ ہمارا سب سے بڑا مسئلہ کچھ اور ہے، اور وہ ہے ہمارا ایمانی وجود، ہمارا عقیدۂ توحید، ہماری مذہبی وتہذیبی انفرادیت۔

آزادی سے پہلے ہمارے کچھ لوگوں کو یہ امید تھی کی چونکہ ملک کی آزادی کے لئے ہم نے بھی قربانیاں دی ہیں، بلکہ ہمارا حصہ دوسروں سے کافی زیادہ ہی ہے اس لئے آزادی کے بعد ملک کو چلانے کے لئے جو اصول اور جو پالیسیاں بنیں گی ان میں ہمیں اپنے دین وشریعت پر چلنے کی پوری آزادی ہوگی لیکن ایسا نہیں ہوا، شروع ہی سے یہ حقیقت سامنے آگئی کہ ملک کی قیادت جن لوگوں کے ہاتھوں میں آئی ہے ان کا حقیقی نصب العین مسلمانوں سے بتدریج ان کی ''اسلامیت'' کو چھین لینا اور ہندوستانی تہذیب کے نام پر ان کو ہندو یا برہمن تہذیب کے رنگ میں رنگ لینا ہے۔

آج کوئی باخبر شخص اس سچائی کو جھٹلا نہیں سکتا کہ اُس وقت سے لے کر آج تک مسلسل اس سمت میں پیش رفت جاری ہے —— یہ درست ہے کہ اجتماعی ارتداد کی نوبت تو نہیں آئی، اور مسلمانانِ ہند کا رشتہ اسلام اور عقیدۂ توحید سے قائم رکھنے، اور ان کو مشرکانہ برہمنی کلچر میں ضم ہوجانے سے روکنے کے لئے جو کوششیں ہوئیں، وہ بڑی حد تک کامیاب رہیں۔

تاہم یہ بھی ایک انتہائی ناخوشگوار حقیقت ہے کہ کفر واسلام اور توحید وشرک کے بارے میں جو حساسیت یقینی طور پر مطلوب ہے، اور جس طرح ہر مسلمان مرد وعورت کو اپنے بارے میں اور اپنے بچوں کے ایمان کے بارے میں ہر دم فکرمند اور چوکنا رہنا چاہئے، خاص طور پر ایسے ماحول میں جہاں ارباب اقتدار

پوری طاقت استعمال کر کے زیادہ سے زیادہ مسلمانوں سے ان کا ایمان اور ان کا ملی تشخص چھین لینے کی بھر پور کوششیں کر رہے ہیں، وہ حساسیت اور وہ بیداری ہماری آبادی کے بہت بڑے حصے میں نہایت خطرناک حد تک مفقود نظر آتی ہے۔

جو لوگ ملک کی تاریخ سے واقف ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ برہمنی جبر واستبداد سے ملک کے جن حقیقی باشندوں نے اختلاف کیا، اور اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی ان کو اس طرح کچلا گیا کہ انہوں نے ہار مان کر اپنی انفرادیت ہی کو نہیں اپنے اصل عقائد وافکار تک کو چھوڑ دیا، اور اپنے آپ کو برہمنی کلچر اور ہندو سماج میں ضم کر دیا۔ جینیوں کے ساتھ یہی کیا گیا، بدھسٹوں کے ساتھ یہی کیا گیا اور آخر میں سکھوں کے ساتھ بھی یہی کیا گیا، مسلمانوں کے ساتھ بھی جو ظالمانہ سلوک عرصہ سے کیا جا رہا ہے، اور جس میں دن بدن شدت ہی آتی جا رہی ہے اس کا اصل ہدف بھی یہی ہے کہ یہ قوم بھی تھک ہار کر اپنا مذہب اور جداگانہ تہذیب چھوڑ دے، اور برہمنی تہذیب میں ضم ہو جانے اور کسی نہ کسی شکل میں مشرکانہ رسوم وعادات کو قبول کرنے پر آمادہ ہو جائے۔ اور اب تو صاف طور پر یہ آثار نظر آ رہے ہیں کہ آنے والے دنوں میں ان عناصر کی طرف سے ایک طرف تو مسلمانوں کو خوف زدہ وہراساں کرنے اور ان کے اندر دہشت اور مایوسی کی کیفیت پیدا کر کے ان کو ایسے مقام پر لے آنے کی آخری درجہ کی کوششیں ہوں گی کہ وہ بھی اللہ اور اس کے رسول کا دامن چھوڑ کر، اور ملت ابراہیمی اور شریعت محمدی سے تعلق توڑ کر مشرکانہ برہمنی عقائد ورسوم کو اپنا لیں، اور اپنی آئندہ نسلوں کو برہمنی تہذیب میں ضم ہو جانے دیں۔

اس صورت حال کے پیش نظر مسلمانانِ ہند کی سب سے بڑی ضرورت اس وقت یہ ہے کہ ملک کے طول وعرض میں ایک ایسی تحریک برپا کی جائے جس کی آواز ایک ایک مسلمان بڑے چھوٹے، مرد وعورت، غریب وامیر، شہری ودیہاتی تک پہونچے، اور جس میں صرف اس بات پر زور دیا جائے کہ تمہاری اسلامیت کو چھین لینے اور عقیدۂ توحید اور دامن مصطفٰے سے تمہیں اور تمہاری نسلوں کو محروم کر دینے اور مشرکانہ برہمنی رنگ میں رنگ لینے کی زبردست سازشیں ہو رہی ہیں۔ آگاہ ہو جاؤ! اور اسلام اور اللہ اور اس کے رسول سے اپنے تعلق کو باقی رکھنے بلکہ مزید مضبوط اور مستحکم کرنے کی تدبیریں اختیار کرو۔۔۔۔۔۔۔۔

بھارت کے مسلمانوں کی دوسری اہم ترین ضرورت یہ ہے کہ ملک کے آئین میں جو تحفظات اور جو ضمانتیں بظاہر اس مقصد کے لئے دی گئی تھیں کہ یہاں کے تمام باشندے اپنے مذہب اور تہذیب پر آزادی کے ساتھ نہ صرف یہ کہ عمل کر سکیں گے بلکہ ان کو اس کی تبلیغ کا حق بھی ہوگا، نیز یہ کہ حکومت کا کوئی مذہب نہیں

ہوگا، یعنی یہ کہ حکومت سرکاری وسائل واختیارات کا استعمال کرکے کسی مخصوص مذہب وتہذیب کی سرپرستی نہیں کرے گی، وغیرہ وغیرہ، اگرچہ عملاً دستور کی ان دفعات کی خلاف ورزی کی جاتی رہی، تاہم دستور میں ان دفعات کی موجودگی کی وجہ سے مسلمان اور دوسری اقلیتوں کے لئے انصاف کی دوہائی دینے کی تھوڑی بہت گنجائش بہر حال موجود رہی؛ مگر اب تو آئین کے ان تحفظات کو ہی حذف کیا جانے والا ہے، اور ایسی بنیادی نوعیت کی تبدیلیاں کی جانے والی ہیں جن سے مسلمانانِ ہند کو برہمنی رنگ میں ضم کرلینے کی کوششوں کو دستوری تحفظ حاصل ہوجائے گا، اور مسلمانوں کے لئے مسلمان بن کر رہنا مشکل سے مشکل تر ہوتا چلا جائے گا، پس ہماری دوسری سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ ملک میں ایسی تحریک برپا ہو جس کے ذریعہ دستور میں ان تبدیلیوں کا راستہ روکا جاسکے، بلکہ آگے چل کر دستور میں ایسی اصلاحات کی جاسکیں جن سے ملک کے تمام باشندوں کو ان کے حقوق بہتر طریقے پر حاصل ہوسکیں۔ اور قانون سازی میں ان کی بہتر حصے داری یقینی بن سکے۔

یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ یہ تحریک اسی صورت میں مؤثر ہوسکتی ہے جب ملک کے وہ تمام طبقات اور وہ تمام مذہبی اور سماجی اکائیاں اس میں شامل ہوں جو اپنے اپنے دائرے میں دستور کی مجوزہ تبدیلیوں کا خطرہ محسوس کررہی ہیں۔ اور موجودہ صورت حال اور آنے والے دنوں کے متوقعہ حالات کی وجہ سے تشویش میں مبتلا ہیں۔

مذکورہ بالا یہ دونوں کام یعنی:

(۱) مسلمانوں میں اپنے دین پر استقامت اور یا ایھا الذین آمنو آمنو ا کی آواز لگانا۔

(۲) ملک کی مختلف مذہبی سماجی اکائیوں کو ساتھ لے کر دستور کے تحفظ کی تحریک چلانا۔

یہ دونوں کام تب ہی مؤثر طریقے پر کئے جاسکتے ہیں، جب ان کی آواز ایسی قیادت کی طرف سے بلند ہو جو ایک طرف تو مسلمانوں میں زیادہ سے زیادہ مقبول اور مؤثر ہو اور دوسری طرف ملک میں دوسری اقلیتوں اور فکرمند حلقوں میں بھی اس کا وقار اور اعتبار ہو۔ اور شاید ہی کوئی باخبر شخص اس حقیقت کا انکار کرسکے کہ ان دونوں پہلوؤں سے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا نام سب سے پہلے ذہن میں آتا ہے کیوں کہ وہ مختلف جماعتوں، تنظیموں، مسلکوں اور نمائندہ شخصیات کی ایک اجتماعی ہیئت ہے۔ اور اپنی سنجیدہ شبیہ اور صاف ستھری تاریخ کی وجہ سے ملک کے مختلف حلقوں میں بھی اس کی آواز کو غور سے سنا جاتا ہے۔

مقامِ شکر ہے کہ مسلمانانِ ہند کی تاریخ کے اس نازک ترین موڑ پر مسلم پرسنل لا بورڈ نے اپنی ذمے داری محسوس کرتے ہوئے مذکورہ بالا دونوں مقاصد کے سامنے رکھ کر ایک عوامی تحریک کا اغاز کردیا ہے۔

اب یہ ہمارا فرض ہے کہ کسی نہ کسی شکل میں ہم میں سے ہر شخص اس تحریک کی تقویت کا باعث بنے۔

آپ اگر کسی بھی مسلک یا مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے مذہبی عالم ہیں تو آپ اپنے حلقے میں اس تحریک کی آواز کو پہونچانے میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔

آپ اگر صحافی ہیں تو اپنے قلم سے اس تحریک کے پیغام کو عام کر سکتے ہیں۔

آپ اگر ٹیچر ہیں تو آپ اپنی یونیورسٹی، کالج، مدرسے اور اسکول میں زیر تعلیم نو جوان طلبہ و طالبات کی ذہن سازی کر سکتے ہیں۔

آپ اگر سوشل میڈیا سے واقف ہیں تو اس کے ذریعہ بھی آپ اس تحریک کی آواز کو دور دور تک پہونچا سکتے ہیں۔

یاد رکھیں کہ اگر ہم آپ سب، اللہ کی دی ہوئی صلاحیتوں اور اسباب وسائل کا تھوڑا سا حصہ بھی اس وقت مذکورہ بالا مقاصد کے لئے استعمال کریں گے تو بہت اچھے نتائج نکل سکتے ہیں، بس خدا را موقع کی نزاکت کو سمجھئے، اور ایک عظیم اور انقلابی جدوجہد کے لئے پورے حوصلے کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئیے! اور اس پہلو پر بھی نظر رکھیئے کہ فضا اس قسم کی تحریک کے لئے جتنی سازگار آج کل ہے اتنی نارمل قسم کے حالات میں نہیں ہوتی۔ ایک لمحہ بھی تاخیر کی گنجائش نہیں ہے۔

اس لئے موجودہ حالات کو صرف چیلنج نہ سمجھئے، ان کو ایک زریں موقع بھی سمجھئے قوم میں بیداری، جذبۂ عمل اور اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کا اور مسلمان اور مظلوم طبقات کے درمیان ایک ایسے رابطے اور اشتراک عمل کی شروعات کا جس کے دوررس نتائج نکل سکتے ہیں۔ آہ کہ: ع

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں

حضرت مولانا سید شوکت علی نظیر الی رحمۃ اللہ

۲۵/ ذی الحجہ ۱۴۳۶ھ (۱۰/ اکتوبر ۲۰۱۵ء) بروز ہفتہ جامع مسجد بمبئی کے امام وخطیب، خطۂ کوکن کے مرجع ومحبوب، یادگار اکابر اور نمونۂ سلف حضرت مولانا سید شوکت علی نظیر صاحب تقریباً ۸۲ سال کی عمر میں اپنے مالک حقیقی سے جا ملے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت مولانا شوکت علی نظیر ایک ایسی بستی میں پیدا ہوئے جہاں سو فیصد سادات ہی کے گھرانے آباد تھے، شروع ہی سے ان کی زندگی پاک صاف گذری،

(نگاہ اولیں کا بقیہ صفحہ ۱۴ پر ملاحظہ فرمائیں۔۔۔)

محفل (۱۵۰) سورۃ الأنعام (٩)

حضرت مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی

مشرکین اور اہلِ کتاب کا عبرت انگیز گٹھ جوڑ

دعوتِ محمدی سے خائف مشرکین کی حرکاتِ مذبوحی

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ مَنْ
اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ
تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ
اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿٩١﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ
الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ
يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿٩٢﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ
كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ
اللّٰهُ ؕ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ
اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ
غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٩٣﴾ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا
خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ
شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ؕ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ
عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿٩٤﴾

ترجمہ

اور جب ان لوگوں نے یہ کہا کہ اللہ نے کوئی چیز کسی بشر پر نہیں اُتاری تو انھوں نے اللہ کو

کما حقہ نہیں پہنچانا، کہو (اچھا پھر) کس نے وہ کتاب اتاری جسے موسیٰ ایک نور اور ہدایت کے طور پر لوگوں کے لئے لے کر آیا، جسے تم ورق ورق کر کے رکھتے، کچھ کو ظاہر کرتے اور زیادہ تر کو چھپا لیتے ہو۔ اور تم کو ان باتوں کا علم (جس کے ذریعہ) دیا گیا جن کو نہ تم اور نہ ہی تمہارے آباء و اجداد جانتے تھے؟ کہو (نبی) کہ وہ (نازل کرنیوالا) اللہ ہی تھا، اور پھر انھیں چھوڑ دو کہ اپنے مشغلوں میں مست رہیں (۹۱) اور یہ کتاب ہے کہ ہم نے اتاری ہے برکتوں والی اور اپنے سے پہلی (کتابوں) کی تصدیق کرنے والی اور (یہ نازل کی ہے) اس لئے کہ تم (اے پیمبر) اُمُّ القریٰ (مکہ) اور اس کے ارد گرد کو خبر دار کرو۔ اور وہ لوگ جو آخرت کو مانتے ہیں وہی اس پر ایمان لاتے ہیں اور اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں (۹۲)

اور کون اس شخص سے زیادہ ظالم ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا کہے کہ مجھ پر وحی کی گئی ہے جبکہ کچھ بھی وحی اس پر نہیں کی گئی اور وہ کہ جو کہے کہ میں بھی ایسا ہی کلام جیسا اللہ نے نازل کیا ہے نازل کر کے دکھا دوں گا؟ اور کاش تم وہ وقت دیکھتے جب کہ یہ ظالم موت کی جانکنیوں میں ہوں گے اور (سامنے) فرشتے اپنے ہاتھ پھیلائے کہ ہاں نکالو اپنی جان۔ آج عذاب تمھیں ان باتوں پر رسوائی کا ملنا ہے جو باتیں تم اللہ کے نام جھوٹ لگایا کرتے اور اس کی آیتوں کے مقابلہ میں تکبر دکھایا کرتے تھے (۹۳)

اور دیکھو تم ہمارے پاس ایسے ہی تنہا تنہا آئے ہو جیسا کہ پہلی بار میں ہم نے تمھیں پیدا کیا تھا اور جو کچھ ساز و سامان تمھیں ہم نے دنیا میں دیا تھا وہ سب اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو اور تمھارے ساتھ وہ شفاعت کرنے والے بھی ہم نہیں دیکھ رہے ہیں جن کی نسبت تم سمجھے بیٹھے تھے کہ تمھارے معاملات میں وہ (ہمارے) شریک ہیں۔ (دیکھو) ٹوٹ کر رہ گئے تمھارے رشتے، اور ہوا ہو گئے جو گمان تم نے باندھ رکھے تھے (۹۴)

بشریت اور نبوت

فرمایا گیا ہے: جو لوگ یہ ماننے سے انکاری ہیں کہ اللہ کسی بشر پر وحی نازل کرے۔ بالفاظِ دیگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت سے انکار کی یہ بنیاد ٹھیراتے ہیں کہ بشر پر وحی آنے اور کتاب نازل ہونے کا کیا سوال؟ تو یہ درحقیقت خدا کی خدائی کے اندازہ کو اس کا حق نہیں دے پائے ہیں"۔

یہ کون لوگ ہیں؟ بظاہر تو مشرکینِ مکہ ہی ہونے چاہئیں، کہ سلسلۂ گفتگو انہی سے متعلق چل رہا ہے۔

اور بعض مفسرین نے یہی کہا بھی ہے۔ مگر اگلے جملہ میں اس پر جو نکیر الزامی جواب کی شکل میں آرہی ہے، قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى ۔۔۔۔۔(پیمبر کہو کہ پھر وہ کتاب کس نے نازل کی تھی جو موسیٰ لیکر آئے تھے۔۔۔۔۔اور جس کا کچھ حصہ تم لوگوں کو دکھاتے اور بیشتر حصہ چھپاتے ہو؟) یہ تو صرف علماء اہلِ کتاب (یہود) پر صادق آتی ہے۔ ان کی یہ خصلت کہ تورات کی تعلیمات کے اظہار میں خیانت کرتے ہیں قرآن میں جگہ جگہ آئی ہے۔ چنانچہ عامۂ مفسرین یہی رائے رکھتے ہیں کہ یہ قول علماء یہود کا ہے۔ مگر اوپر سے چلے آرہے سلسلۂ کلام میں یہ ایک جداگانہ عنصر کہاں سے داخل ہوگیا؟ اہلِ کتاب یہاں بیچ میں کہاں سے آگئے؟

مشرکین اور اہلِ کتاب کا گٹھ جوڑ

سو، قیاس یہ کہتا ہے کہ یہ نتیجہ خاص طور سے اوپر کی آیتوں میں گزرے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ کا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوتِ قرآنی کا شُہرہ مکہ سے باہر پہنچ جانے کے بعد باہر کے جن لوگوں کو خصوصی فکر لاحق ہوئی تھی وہ علمائے اہلِ کتاب، بالخصوص یہود ہی تھے، جو نبوت پر بنی اسرائیل کی اجارہ داری کا عقیدہ بنائے ہوئے تھے اور، جیسا کہ خود قرآن سے بھی معلوم ہوتا ہے، جلد ہی اس معاملہ پر ان کا اور قریشِ مکہ کا گٹھ جوڑ ہوگیا تھا۔ یہاں تک قرآن ہی مشرکینِ مکہ کے بارے میں ان کا یہ قول نقل کرتا ہے کہ هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَبِیْلًا ﴿۵۱﴾ (یہ لوگ ایمان والوں سے زیادہ صحیح راستہ پر ہیں، النسآء۔) پس ایسے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مذکورہ بالا قصہ کا نزول، جس نے شرک کو ایک مضحکہ بنا کر ہی نہیں رکھدیا تھا، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پر گواہی بھی ثبت کردی تھی، کہ آپؐ اسی مبارک سلسلۂ انبیاء علیہم السلام کی کڑی نظر آرہے تھے جس کا بیان مشرکین کے اِن دوستوں کی کتاب تورات میں پایا جاتا تھا۔ مشرکین کو اس پریشانی کا حل ظاہر ہے کہ تورات والے دوستوں ہی سے مل سکتا تھا۔ اوپر سے چلے آرہے سلسلہ کلام میں علماءِ یہود کا داخلہ بظاہر اسی راستہ سے ہوا۔ ان کے لئے اُن آیتوں کا مضمون اصل مدعیوں سے بھی زیادہ ناقابلِ قبول ہونا تھا، پس جیسا کہ مفسرین فرماتے ہیں شِدتِ غضب میں وہ کہہ گئے جو نہ کہنا تھا "اللہ نے کبھی کسی بشر پر کچھ نہیں نازل کیا۔"

قرآن کا تیکھا سوال

قرآن نے بجاطور پر پوچھا کہ پھر وہ کتاب کس نے نازل کی تھی جو موسیٰ لیکر آئے تھے؟ اور بطورِ گواہ

ان کی دیانت وامانت سے پردہ اُٹھانے کو یاد دلایا کہ وہی کتاب جسے تم ورق ورق کئے رکھتے ہو کہ جتنا چاہو لوگوں کو دکھاؤ جتنا چاہو چھپاؤ، جبکہ وہ ''نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ'' لوگوں کے لئے شمعِ ہدایت کے طور پر بھیجی گئی تھی، اور وہ باتیں اس نے تمھیں سکھائی تھیں جنھیں تم کیا تمھارے آباء واجداد بھی نہ جانتے تھے!'' اور آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد ہوا ''قُلِ اللّٰہ'' کہو کہ وہ تورات نازل کرنے والا اللہ ہی تو تھا، الغرض تورات ثبوت ہے کہ اللہ بشر پر کتاب نازل فرماتا ہے۔ آگے فرمایا کہ موسیٰ کی کتاب کے بعد یہ قرآن ہم نے نازل کیا ہے جو بابرکت (بڑی نفع بخش) کتاب ہے، نیز اپنے سے قبل نازل کی جانے والی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے (جو خاص پہچان اس کے منجانب اللہ ہونے کی ہے) اور یہ نازل خاص طور سے اس لئے کی گئی ہے کہ اے نبی تم اُمّ القُریٰ (شہرِ مکہ) کی آبادی اور اس کے اردگرد والوں کو خبردار کرو۔ رہا اس پر لوگوں کا ایمان لانا تو جو آخرت کے قائل ہوتے ہیں وہ اس پر ایمان لاتے ہیں اور وہ اپنی نماز کی بھی پابندی کرتے ہیں۔''

نماز امُّ العبادات ہے اس کے ذکر میں جملہ عبادتی فرائض آجاتے ہیں۔ اوران میں نماز کی بالخصوص اہمیت ظاہر ہوجاتی ہے۔ تمام عبادات میں نماز ہی وہ عمل ہے جس سے آدمی کے ایمان کا رات دن اظہار ہوتا ہے، پس اس کی اہمیت کی بڑی کھلی وجہ یہی ہے اور اسی معنیٰ میں اسے حدیث میں دین کا ستون (عمادُ الدین) فرمایا گیا ہے۔ اور مکہ کو یہاں ''اُمّ الْقُرٰی'' کے نام سے تعبیر کیا جانا (جس کا مطلب ''بستیوں کا صدر مقام'' ہوتا ہے) بظاہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عالمی رسالت کی رعایت سے ہے۔ اگر ''مکہ وما حولها'' کہا جاتا تو یہ بس مکہ اور اس کے قرب وجوار کا مفہوم دیتا، لیکن بستیوں کا صدر مقام اور اس کا اردگرد (ام القریٰ ومن حولها) میں ساری دنیا آبھی سکتی ہے۔ واللہ اعلم

کفار کی حرکاتِ مذبوحی کا منظر

آگے فرمایا گیا: وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۔۔۔۔ اور کون اس سے زیادہ ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا کہے کہ مجھ پر وحی کی گئی ہے، جب کہ واقعہ میں ایسا نہیں۔ اور جو کہے کہ میں بھی ایسا ہی کلام نازل کرکے دکھا سکتا ہوں جیسا اللہ نے نازل کیا ہے؟ اللہ پر ''جھوٹ باندھنے'' کی تعبیر تو ان لوگوں کے شرک کے لئے بھی آتی رہی ہے۔ نیز ابھی جو یہ دعویٰ گزرا کہ اللہ نے کسی بشر پر کبھی کچھ نہیں نازل کیا وہ بھی اسی کا مصداق ہے۔ آگے ایک نئی چیز آرہی ہے، اپنے اوپر وحی آنے اور نتیجۃً پھر ویسا ہی کلام

سنا دے سکنے کا دعویٰ جیسا کلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہو رہا تھا۔ یہ وہ باتیں ہیں جو ''حرکاتِ مذبوحی'' کہلاتی ہیں۔ دعوتِ قرآنی کی تاثیر کسی طرح بھی رُک نہیں پا رہی تو عجیب عجیب طرح کی باتیں جھنجلاہٹ میں سرزد ہو رہی ہیں۔ ایک طرف وحی کا سرے سے ہی انکار، دوسری طرف خود اپنے اوپر وحی آنے کا دعویٰ! ویسے ایک لحاظ سے یہ بات سچی بھی ہو سکتی ہے۔ اسی سورت (الانعام) میں آگے آ رہا ہے: وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَائِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ ۝ (اور شیاطین اپنے ساتھیوں کے دلوں میں (شیطنت کی) وحی کرتے ہی رہتے ہیں تاکہ وہ تم سے حجت کریں۔) اور ان کے اس دعوے کی واقعی حقیقت یہی تھی۔ اسی طرح قرآنی کلام کے مقابلہ میں ویسا ہی کلام لا سکنے کا دعویٰ بس ایک ڈینگ تھی کہ قرآن کی حقانیت میں شبہ پیدا ہو جائے۔ اور لوگ اس کی طرف مائل ہونے سے رُک جائیں۔ اس دعوے کا ذکر ایک آیت میں بایں الفاظ آیا ہے: وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا قَالُوا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَٰذَا ۙ (اور ان کو جب ہماری آیتیں سنائی جاتی ہیں تو کہتے ہیں، ٹھیک ہے ہم نے سن لیا اور ہم چاہیں تو اس کا سا ہم بھی کہہ لائیں۔ الانفال ۳۱)

اچھا یہ خدا دشمن اپنے انجام کا سن لیں

ان خدا دشمن باتوں کا جو انجام ہونا چاہیے، آگے اسی کا بیان آتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کر کے ارشاد ہوا ہے: وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُو أَيْدِيهِمْ ---کاش تم اس وقت کو دیکھ پاتے جب یہ ظالم موت کی جاں کنیوں میں ہوں گے اور فرشتے ہاتھ بڑھائے کہہ رہے ہوں گے کہ ہاں نکالو باہر کو اپنی جانیں، آج تمھیں ذلت کا عذاب ان باتوں پر ملنا ہے جو ناحق تم اللہ کے ذمہ لگایا کرتے تھے اور اس کی آیات کے مقابلہ میں تکبر دکھایا کرتے تھے۔ جب خدا کا سامنا ہوگا تو فرمایا جائے گا کہ تم بالآخر آئے ہمارے پاس ویسے ہی اکیلی جان جیسے ہم نے تمھیں اوّل دن پیدا کیا تھا اور وہ سب ساز و سامان اپنے پیچھے ہی چھوڑ آئے جو ہم نے تمھیں دیا ہوا تھا۔ اور ہم ان سفارشی ہستیوں کو بھی تمھارے ساتھ نہیں دیکھ رہے ہیں جنھیں تم نے سمجھا ہوا تھا کہ تمھارے معاملات میں ہمارے شریک ہیں۔ دیکھو بالکل ٹوٹ کر تمھارا رشتہ رہ گیا اور وہ باتیں سب ہوا ہو گئیں جو تم دل میں جمائے ہوئے تھے۔

☆☆☆

(۔۔۔نگاہ اولیں کا بقیہ)

دار العلوم دیوبند کے زمانۂ طالب علمی میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کی خصوصی توجہ حاصل رہی، اور یہ شرف انہیں حضرت مدنی کی زندگی کے آخری لمحوں تک ترقی کے ساتھ حاصل رہا، بعد میں فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ سے اجازت وخلافت بھی ملی۔ دار العلوم دیوبند سے واپسی کے بعد کچھ عرصہ اپنے وطن مہندری کی مسجد میں امامت وخطابت اور مکتب میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ پھر بمبئی کی ایک مسجد سے وابستہ رہے۔ اور اس کے بعد گجرات کے مشہور ادارے جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل میں تدریسی خدمات انجام دیں، اور پھر بمبئی کی تاریخی جامع مسجد میں امامت وخطابت کی ذمے داری ان کے سپرد کی گئی، جہاں تقریباً پچاس سال تک اس شان سے اپنی ذمے داریاں ادا کیں کہ ان کی ذات اور بمبئی کی جامع مسجد پورے علاقہ کا مرجع بن گئی۔

حضرت مولانا شوکت علی نظیر صاحب کی شخصیت میں بلاشبہ ایسی نورانیت اور مقناطیسیت محسوس ہوتی تھی کہ ان کو دیکھ کر ہی ایمان میں تازگی محسوس ہوتی تھی، دل میں عجیب سی سکینت کا احساس ہونے لگتا تھا، بلاشبہ ان کے تعلق مع اللہ، اور ورع وتقویٰ اور مکارم اخلاق کا اثر تھا۔ اس عاجز کو ان کی شفقت ومحبت سے، اس دیار میں جو تقویت اور عزم وحوصلہ ملتا تھا، اس کے تذکرہ کے لئے الفاظ نہیں مل رہے ہیں۔ بس دل وجان سے دعا ہے کہ اللہ ان کو اپنا قرب خصوصی عطا فرمائے، اور اس علاقے کو ان کا بدل عطا فرمائے، اور ان کے خیر سے ہمیں محروم نہ فرمائے۔

حضرت مولانا مفتی محمد فاروق صاحب الی رحمۃ اللہ

اِس سال منیٰ میں ۱۰/ ذی الحجہ کو جو دردناک حادثہ پیش آیا جس میں اطلاعات کے مطابق ہزاروں حجاج شہید اور زخمی ہوئے، اس حادثہ میں جام شہادت نوش کرنے والوں میں حضرت مولانا مفتی فاروق صاحب بھی تھے۔ مولانا محمد فاروق صاحب میرٹھ میں ایک ادارے کے بانی وناظم تھے، صاحب درس وافتاء اور صاحب تصانیف تھے، حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی سے نسبت کا نور اور خلافت کی ذمہ داری بھی انہیں ملی تھی، بظاہر بڑی ہی قابل رشک حالت میں ان کا آخری وقت آیا۔ عرفات اور مزدلفہ کے وقوف سے فارغ ہو کر منیٰ پہونچے، رمی جمرات کے لئے جا رہے تھے کہ بھگدڑ میں پھنس گئے۔ بعض عینی شاہدوں کا بیان ہے کہ انہوں نے ان کو اس وقت جس وقت کہ وہ بھیڑ میں گر گئے تھے اور کئی اور لوگ بھی ان کے اوپر گرے ہوئے تھے مفتی صاحب کو لا الہ الا اللہ، اور تلبیہ پڑھتے ہوئے سنا۔ اللھم اغفر لہ وارحمہ وارض عنہ وادخلہ الجنۃ۔

محترم قارئین کرام سے گذارش ہے کہ وہ ان دونوں بزرگوں کے لئے دعائے مغفرت کا اور پسماندگان کے لئے صبر واجر کی دعاؤں کا اہتمام کریں۔

پروفیسر توقیر عالم فلاحی

قرآن کریم کا تصور فلاح ونجات

(تیسری وآخری قسط)

ایمان وایقان:

فلاح ونجات اور کامیابی وکامرانی کے عوامل میں ایمان وایقان کو اولیت کا مقام حاصل ہے۔ یہ وہ متاع بے بہا ہے جس کے بغیر کوئی بھی عمل اللہ کی بارگاہ میں شرف قبولیت سے ہمکنار نہیں ہوتا۔ ایمان کے بغیر عمل کرنے والا شخص آخرت کے بازار میں بالکل اسی طرح دھوکہ کھائے گا جس طرح ایک مسافر شدت پیاس کے عالم میں صحرا میں سراب سے دھوکہ کھاتا ہے۔ ایمان کے بغیر عمل کی انجام دہی انتہائی سنگین اور مہلک دھوکہ ہے اللہ رب العزت کا فرمان سنیے:

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْآنُ مَاءً حَتّٰى إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهُ فَوَفّٰهُ حِسَابَهُ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ۔ (النور:۳۹)

[اور جنھوں نے کفر کیا، ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے دشت بے آب میں سراب کہ پیاسا اس کو پانی سمجھے ہوا تھا، مگر جب وہاں پہنچا تو کچھ نہ پایا، بلکہ وہاں اس نے اللہ کو موجود پایا، جس نے اس کا پورا پورا حساب چکا دیا اور اللہ کو حساب لیتے دیر نہیں لگتی۔]

قرآن مجید کی سینکڑوں آیات ہیں جن میں ایمان باللہ کو کامیابی کے لیے شرط اولین کی حیثیت سے ذکر کیا گیا ہے[۱]۔ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ قرآنی تعلیمات وہدایات پر عمل کرنے کے مکلف وہ لوگ ہیں جو زیور ایمان سے آراستہ ہیں اور جو اس نعمت غیر مترقبہ سے محروم ہیں، فلاح وکامرانی کی راہ میں سب سے پہلے

---

[۱] بطور مثال ملاحظہ ہو، النساء: ۱۲۳۔ ۱۲۴، الکہف: ۱۱۰، الانبیاء: ۹۴، التغابن: ۹، الطلاق: ۱۱، العصر: ۲۔ ۳

ان سے ایمان سے آراستہ ہونے کا مطالبہ ہوتا ہے۔[۱] ایمان کی عظمت کا اندازہ اس امر سے بھی ہوتا ہے کہ ایمان والوں کو ایمان کی نعمت عظمیٰ سے سرشار ہونے، اسے محفوظ رکھنے بلکہ تقویت دینے کا مطالبہ ہوتا ہے:

یَاأَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُواْ آمِنُواْ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَالْکِتَابِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلَى رَسُولِهِ وَالْکِتَابِ الَّذِیَ أَنزَلَ مِن قَبْلُ۔ (النساء:۱۳۶)

[اے ایمان لانے والو! ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل کی ہے اور ہر اس کتاب پر جو اس سے پہلے وہ نازل کر چکا ہے۔]

ایمان وایقان کی اہمیت کا اندازہ اس حدیث رسول سے بھی ہوتا ہے جس میں دین اسلام کے پانچ ستونوں کی نشان دہی فرمائی گئی ہے اور ایمان وعقیدہ کو ستون اول کی حیثیت سے ذکر کیا گیا ہے[۲] اور باقی چار اعمال بترتیب نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج کو دیگر چار ستونوں سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چاروں عملی ستونوں کی صحت واستحکام کا راز اس میں مضمر ہے کہ ستون اول، ایمان وعقیدہ صحیح اور مستحکم ہو۔ بصورت دیگر نماز ورزش قرار پاتی ہے، زکوٰۃ دولت وثروت کے اشتہار کا ذریعہ بن جاتی ہے، روزہ بھوک مری یا بھوک ہڑتال ہو کر رہ جاتا ہے اور حج سیر وتفریح یا ٹور اور پکنک قرار پاتا ہے۔

اللہ پر ایمان معتبر ومستند نہیں ہوسکتا جب تک اس کی ذات مطلق، اس کی صفات اور اس کے اختیارات پر بایں طور ایمان نہ رکھا جائے کہ وہ اپنی ذات میں یکتا ہے۔[۳] اس جیسی صفات کا مالک کوئی نہیں[۴] اور اختیار کلی اسی کو حاصل ہے، اللہ کی مشیت کے علی الرغم ساری دنیا مل کر اگر کسی کو کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی، اسی طرح اگر اللہ واحد کی مرضی کے برخلاف ساری دنیا مل کر کسی کو فائدہ پہنچانا چاہے تو وہ اپنے مقصد میں فلاح یاب نہیں ہوسکتی۔[۵]

اگر ایمان شرک کے ساتھ ملوث ہے تو ایمان بے وزن ہوجاتا ہے، اس لیے کہ اللہ کی کتاب اس کی شناعت وقباحت بیان کرتی ہے۔ کتاب اللہ اسے ظلم عظیم[۶] سے تعبیر کرتی ہے، ناقابل معافی جرم ہونے کا اعلان کرتی ہے[۷] اور اس جرم عظیم کے مرتکب کا ٹھکانہ جہنم قرار دیتی ہے۔[۸] رسالت اور آخرت پر ایمان اللہ پر ایمان کے لازمی تقاضے ہیں۔ اگر یہ تقاضے پورے نہیں ہوتے تو گویا اللہ پر ایمان بھی مشکوک ومشتبہ

---

[۱] بطور مثال ملاحظہ ہو، المائدہ:۶۹، الانعام:۴۸، التوبہ:۱۸، الکہف:۸۸، البروج:۱۱، التین:۶

[۲] محمد بن اسماعیل البخاری: الجامع الصحیح، ج۱، کتاب الایمان، ص۶، اصح المطابع، کتب خانہ رشیدیہ، دہلی　　[۳] الاخلاص:۱-۴

[۴] الشوریٰ:۱۱، الحشر:۲۴　　[۵] الانعام:۱۷، یونس:۱۰۷　　[۶] لقمان:۱۳　　[۷] النساء:۴۸، ۱۱۶　　[۸] المائدہ:۷۲

ہوجاتا ہے، کیوں کہ یہ صورت 'وحی الٰہی' کی شکل میں بندگان خدا کی ہدایت کے ذریعہ کی نفی اور آخرت کی شکل میں عدالت الٰہی کے وقوع کی تردید کو مستلزم ہے۔

عمل صالح:

حقیقی اور ہمہ گیر فلاح سے ہمکنار ہونے کے لیے عمل صالح کی انجام دہی دوسری شرط ہے۔ جس طرح بڑے سے بڑا عمل، ایمان کے بغیر اللہ کے نزدیک معتبر و مقبول نہیں ہے، اسی طرح عمل کے بغیر ایمان موقر اور مستند نہیں ہوسکتا۔ گویا ایمان دراصل حرکت و عمل کا نام ہے۔ اگر کسی نے دل سے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے انقلابی بول بولے ہیں اور زبان سے اس کا اقرار و اعلان کیا ہے تو یقیناً اس کلمہ گو پر اس کے نقوش و اثرات مرتب ہوں گے۔ اس ایمان کے اثرات کم از کم ان اعمال حسنہ کی شکل میں وقوع پذیر ہوں گے جو کلمۂ طیبہ کے اہم ترین تقاضے ہیں اور جنھیں اسلام کی عظیم الشان اور فلک بوس عمارت کے ستونوں کا درجہ حاصل ہے۔ ایک شخص مدعی ایمان تو ہو لیکن اس ایمان کے مطابق اس کا عمل نہ ہو تو یہ بہرحال مخلص اہل ایمان کا طریقہ نہیں ہے۔ بغیر عمل کے ایمان کا دعویٰ کرنے والے اللہ کی نگاہ میں مطعون و مغضوب ہوتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کی روش پر کلام اللہ میں سخت گرفت کی گئی ہے اور ان سے بڑی نفرت کا اظہار کیا گیا ہے۔ آیت کریمہ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝۲ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝۳ ۔(الصّف: ۲۔۳)

[اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، تم کیوں وہ بات کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو؟ اللہ کے نزدیک یہ سخت ناپسندیدہ ہے کہ تم کہو وہ بات جو کرتے نہیں۔]

باوزن اور مستند ایمان کی نعمت کے ساتھ جو نیک کام انجام دیا جاتا ہے، قرآن کی اصطلاح میں یہی عمل، عملِ صالح ہے اور اسی کو خدا کی بارگاہ میں قبولیت ملتی ہے۔ صحیح ایمان تو ہو لیکن اس کے مطابق نیک جذبۂ عمل پروان نہ چڑھتا ہو اور عمل خیر صادر نہ ہوتا ہو، یہ متضاد و مستبعد ہے۔ گویا ایمان و عمل لازم ملزوم حقیقت ہیں۔ قرآن مجید میں فلاح و کامرانی کا پروانہ جس فرد یا جس گروہ کو دیا گیا ہے، اسے ایمان کے بعد عمل صالح سے مشروط رکھا گیا ہے۔[۱] ایک جگہ فرمایا جاتا ہے:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۔(النحل: ۹۷)

---

[۱] بطور مثال ملاحظہ ہو، الکہف: ۱۱۰، طٰہٰ: ۱۱۲، الصّف: ۱۱۔۱۲، التغابن: ۹، الطلاق: ۱۱، الزلزلۃ: ۷، القارعۃ: ۶۔۷، العصر: ۳

[کوئی بھی نیک کام کرے خواہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ وہ مومن ہو، ہم اس کو اچھی زندگی گزروائیں گے۔]

عمل صالح کو فلاح و کامرانی کا موثر عامل قرار دیتے ہوئے ایک جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴿۹۴﴾ (الانبیاء: ۹۴)

[پس جو نیک عمل کرے گا، اس حال میں کہ وہ مومن ہو تو اس کے کام کی ناقدری نہ ہوگی اور اسے ہم لکھ رہے ہیں۔]

اعمال صالحہ ہی دراصل کسی کی شخصیت کو مزین و آراستہ کرتے ہیں، اس کی شخصیت سے گھر، معاشرہ اور عالم انسانیت فیضیاب ہوتا ہے، نتیجتاً دنیا کی یہ چندروزہ زندگی بھی اس کے لیے خوش گوار بن جاتی ہے اور آخرت کی لازوال مسرتوں سے تو وہ شادکام ہوتا ہی ہے۔ ذیل کی آیت کریمہ میں بھی عمل صالح کو کامیابی کی کلید کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے:

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾ (النساء: ۱۲۴)

[اور جو نیک عمل کرے گا، خواہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ ہو وہ مومن، تو ایسے ہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان کی ذرہ برابر حق تلفی نہ ہونے پائے گی۔]

اللہ رب العزت کی عدالت میں فیصلہ اعمال صالحہ کی بنیاد پر ہوگا۔ برادری و علاقائیت، حسب و نسب، کرسی و اقتدار، کسی بزرگ سے انتساب، یہ سارے عوامل آخرت کے بازار میں بے سود ہوں گے، کیوں کہ ہر شخص اپنے عمل کا ذمہ دار ہوگا۔ اگر اس کے میزان عمل میں اعمال صالحہ کا پلڑا بھاری ہوگا تو وہ دل پسند عیش سے ہمکنار ہوگا، بصورت دیگر ناکامی و نامرادی اس کے حصے میں آئے گی، اذیت ناک اور گہری کھائی اس کا ٹھکانہ بنے گی (القارعہ: ۶-۱۱) اس سلسلے میں ایک مایہ ناز مفسر قرآن کی یہ وضاحت موزوں اور مناسب حال ہوگی:

''پس آخرت میں انسان کی فلاح و کامرانی کا تمام تر انحصار اس پر ہے کہ اس کے کارنامۂ زندگی کا مثبت پہلو اس کے منفی پہلو پر غالب ہو اور نقصانات میں کچھ دے دلا کر بھی اس کے حساب میں کچھ نہ کچھ بچا رہ جائے۔ رہا وہ شخص جس کی زندگی کا منفی پہلو اس کے تمام

مثبت پہلوؤں کو دبا لے تو اس کا حال بالکل اس دیوالیہ تاجر کا سا ہوگا جس کی ساری پونجی خساروں کا بھگتان بھگتنے اور مطالبات ادا کرنے ہی میں کھپ جائے اور پھر بھی کچھ نہ کچھ مطالبات اس کے ذمہ باقی رہ جائیں"۔[۱]

حسن نیت یا اخلاص:

فوز وفلاح کی غایت منشودہ سے ہمکنار ہونے کے لیے ایک ناگزیر اور موثر عامل حسن نیت یا اخلاص ہے۔ احادیث کے مستند مجموعوں میں اخلاص نیت کے باب میں یہ حدیث اولیت کے مقام کی حامل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّمَاالاَعْمَالُ بِالنِّیّاتِ وَاِنَّمَا لِکُلِ امْرِئٍ مَّانَوٰی فمن کَانَتْ ھِجْرَتُه اِلٰی دُنیا یُصِیْبُھَااَوِ امْرأة یَنْکَحُھَافَھِجْرَتُهٗ الی مَاھَاجِرَ اِلَیْه۔[۲]

[اعمال (کے صحیح وغلط ہونے) کا دارومدار تو نیتوں (کے صحیح وغلط ہونے) پر ہے اور ہر شخص کو اس کی نیت کے مطابق اجر ملے گا۔ پس جس کی ہجرت (اللہ کے واسطے ترک وطن) دنیا طلبی یا کسی عورت سے نکاح کرنے کی غرض سے ہوگی تو اسے اس کے بدلے وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی ہے۔]

اخلاص نیت عبادت میں روح کی حیثیت رکھتا ہے۔ گویا اس کے بغیر عبادتیں بے روح جسم کی طرح ہو جاتی ہیں۔ قرآن مجید میں جگہ جگہ[۳] اہل ایمان کو تلقین کی جاتی ہے کہ عبادات میں اخلاص وللّٰہیت کو شیوہ وشعار بنائیں۔ ایک جگہ واضح طور پر محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کیا جاتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے توسط سے پوری امت مسلمہ کو اس زیور اخلاص سے مزین ہونے کی تلقین کی جاتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝۲ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ط

(الزمر:۳۰)

[(اے نبی) یہ کتاب ہم نے تمہاری طرف برحق نازل کی ہے، لہٰذا تم اللہ ہی کی بندگی کرو، اطاعت کو اُسی کے لیے خالص کرتے ہوئے خبردار، خالص اطاعت اللہ کا حق ہے۔]

۱۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی: تفہیم القرآن، ج ۲، ص ۱۰، طبع ششم، ۱۹۶۹ء، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی،

۲۔ الصحیح للبخاری، ج ۱، کتاب بداء الوحی، ص ۲　　۳۔ ملاحظہ ہو، الاعراف: ۲۹، غافر: ۱۴، ۶۵، الزمر: ۱۱، ۱۴، البینہ: ۵

عبادت کا جامع مفہوم یہ ہے کہ زندگی کے ہر شعبے میں اور ہر خطہ ارض میں اللہ کی عبدیت وتابعداری کا عملی ثبوت دیا جائے، گویا جز وقتی عابد بننے کا تقاضا نہیں ہوتا ہے بلکہ کل وقتی خادم دین اور شیدائی رب العالمین بننے کا تقاضا ہوتا ہے۔[1] عبادت کے اس مقام پر فائز ہونے میں بندۂ خدا صرف اس بات کو مستحضر رکھے کہ اس کا ہر عمل اللہ کی مرضی کے مطابق ہوگا یا یہ کہ کوئی ایسا عمل سرزد نہیں ہوگا جو اللہ کی ناراضگی کا ذریعہ بن جائے۔ اس کی زندگی میں اطاعت وفرمانبرداری نہ ہی نفس کے لیے ہوگی، نہ ہی برادری کے لیے اور نہ ہی علاقائیت کے لیے ہوگی اور نہ ہی چودھراہٹ کے لیے۔ وہ صرف اور صرف اللہ کی اطاعت وسرافگندگی کو اپنا طرّہ امتیاز بنائے گا۔ یہ حقیقت ہے کہ پنجوقتہ نمازوں میں کم وبیش پچاس مرتبہ خدا اور بندۂ خدا کے درمیان یہ عہد ومیثاق تازہ کیا جاتا ہے کہ عبادت صرف اور صرف اسی کی کی جائے گی۔[2] بندہ مومن تمام مادی اور روحانی آلائشوں سے پاک ہوکر اور تمام جھوٹے خداؤں سے رشتہ توڑ کر معبود حقیقی کے ہی وفادار ہونے کا اعلان کرتا ہے:

إِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالأَرْضَ حَنِيْفاً وَّمَا أَنَاْ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ (الانعام:۷۹)

[میں نے تو یکسو ہوکر اپنا رخ اس ہستی کی طرف کرلیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں ہرگز شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔]

بندۂ مومن اپنے اللہ کے تئیں مخلص ہوتا ہے۔ وہ کسی بھی ناحیۂ عمل اور گوشۂ حیات میں غیر اللہ کو خاطر میں نہیں لاتا۔ وہ لومۃ لائم کی پرواہ کیے بغیر کسی خوف وحرص کے دام میں گرفتار ہوئے بغیر مرضی مولا کے حصول کو ہی ہدف ومقصود قرار دیتا ہے:

قُلْ إِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۲﴾۔ (الانعام:۱۶۲)

[اے نبیؐ! آپ کہہ دیجیے کہ یقینا میری نماز اور میری قربانی اور میرا مرنا اور میرا جینا، اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔]

اخلاص وللّٰہیت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ بندۂ مومن کا ہر شغل اور اس کی ہر مہم صرف رضا جوئی رب کے لیے ہوتی ہے۔ شہرت کی شکل میں، مادی مفاد کی شکل میں یا اپنے موقف ومسلک کی تائید کی شکل میں مخاطب فرد یا مخاطب معاشرہ سے اجرت کی طلب کا حقیر خیال بھی اس کے گوشہ دل میں جگہ نہیں پاتا۔ خوشنودی رب العالمین ہی اس کے ذہن ودماغ پر سوار ہوتی ہے اور زبان حال اور زبان قال دونوں طریقوں سے وہ إِنْ أَجْرِيَ إِلاَّ

[1] الزاریات:۵۶ [2] الفاتحہ:۵

عَلَی اللّٰہ (سبا:۴۷) کا اعلان کرتا ہے۔

اعمال حسنہ میں اگر اخلاص کی روح کارفرما رہے تو چھوٹے سے چھوٹا عمل اللہ کی نظر میں بڑی وقعت کا حامل ہوجاتا ہے۔ کوئی نیکی کم از کم دس گنا اجر کی مستحق ہوتی ہے اور زیادہ سے زیادہ سات سو گنا اور اس سے بھی زیادہ بشرطیکہ اللہ کو کما حقہ پسند آجائے۔ اجر وثواب میں سینکڑوں گنا افزوئی[1] یہ محض اخلاص وللّٰہیت کی بدولت ہے، جو بلاشبہ تمام اعمال صالحہ کی مقبولیت کی سند ہے۔ اخلاص کے اثاثے کے ساتھ اس دنیا میں سرگرم عمل رہنے والوں پر اللہ کا خاص فضل وانعام ہوتا ہے اور وہ مقربین بارگاہ بن جاتے ہیں۔[2]

تقویٰ یا خوفِ خدا:

خوف خدا افراد اور قوموں کی زندگی میں زبردست انقلاب کا محرک بنتا ہے۔ اللہ کے ضابطۂ زندگی اسلام کی عالمگیریت کا راز اس میں بھی مضمر ہے کہ وہ رنگ ونسل، علاقہ وبرادری اور مسلک ومکتبۂ فکر کے تمام فروق وامتیازات کو کالعدم کرکے تقویٰ یا خوف خدا کو شرف وبرتری کا معیار قرار دیتا ہے۔ کتاب اللہ اس سلسلے میں یہ فرمان جاری کرتی ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ ۔(الحجرات: ۱۳)

[اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنادیں، تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔]

رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخری حج کے موقع پر جو اہم تعلیمات وہدایات فرزندانِ اسلام کو گوش گزار کی تھیں، ان میں تقویٰ ایک اہم موضوع تھا۔ تمام قسم کے سطحی فروق وامتیازات کو پاؤں تلے روندتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تقویٰ کو ہی معیارِ شرف وبرتری قرار دیا تھا:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ أَلَا إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِيٍّ وَلَا لِأَحْمَرَ عَلٰى أَسْوَدَ وَلَا لِأَسْوَدَ عَلٰى أَحْمَرَ إِلَّا بِالتَّقْوٰى۔ (احمد بن محمد بن حنبل: مسند احمد، ج۵)

ے لوگو! سنو بے شک تمہارا رب ایک ہے اور تمہارے باپ ایک ہیں، سنو! کسی عربی کو عجمی

---

[1] البقرہ: ۲۶۱ [2] النساء: ۱۴۶، یوسف: ۲۴، الحجر: ۴۰، الصافات: ۴۰، ۷۴، ۱۲۸، ۱۶۰، ۱۶۹،

پر فضیلت نہیں اور نہ ہی کسی عجمی کو کسی عربی پر فضیلت ہے اور نہ کسی گورے کو کالے پر اور نہ ہی کسی کالے کو گورے پر، مگر تقویٰ کے اعتبار سے۔]

حکومت کا قانون، معاشرے کی روایت، پولیس کا ڈنڈا اور شہہ زوروں اور ظالموں کا خوف دن کی روشنی میں، چوراہوں اور شاہراہوں پر، آبادی اور بھیڑ بھاڑ میں تو کام آسکتا ہے۔ لیکن رات کی تاریکی میں، آبادی سے دور کسی جنگل اور ویرانے میں، بند کمرے کے اندر یا کسی چہار دیواری میں بھی اگر کوئی قانون موثر ہوسکتا ہے اور سیئات و منکرات سے متنفر و مجتنب بنا کر خیرات وحسنات کا پیامی اور علمبر دار بنا سکتا ہے تو وہ ہے خوفِ خدا اور خشیتِ الٰہی کا قانون۔ تقویٰ یا خشیت الٰہی کا یہ قانون دلوں پر حکمرانی کرتا ہے، اسی لیے اس کے اندر پائیداری ہوتی ہے اور انسان کو اندر سے بدلنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔

تقویٰ کسی مخصوص مظہر یا عمل سے عبارت نہیں ہے، بلکہ ایک انسان جہاں کہیں بھی رہے، اگر اسے ذمہ داری و جوابدہی کا احساس ہے اور اس کے دل پر تقویٰ کے قانون کی حکمرانی ہے تو اس کی زندگی کی تمام مشغولیات مرضی الٰہی کے تابع ہوجاتی ہیں۔ مذہبی اور معاشرتی امور ہوں یا سیاسی واقتصادی شعبے، تعلیمی وتہذیبی معاملات ہوں یا روحانی اور مادّی مسائل، اسی طرح گھر ہو یا بازار، مسجد ہو یا مدرسہ اور آفس ہو یا کھیت کی مینڈ، ہر معاملہ زندگی میں اور ہر جگہ تقویٰ کے مظاہر اللہ ورسول کی اطاعت اور دوسری معروفات کی شکل میں نمودار ہوتے ہیں۔

عبادات، معاملات اور اخلاقیات میں تقویٰ ایک زبردست عامل کی حیثیت رکھتا ہے۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات ایسے ہیں جہاں عبادات کا مقصد ہی یہ بتایا گیا ہے کہ تقویٰ اور پرہیزگاری کی صفت پیدا ہوجائے۔[۱] تقویٰ عظیم الشان ذریعہ نجات وکامیابی ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں بے شمار مقامات پر اس پونجی کو حاصل کرنے اور اس سے اپنی زندگیوں کو آراستہ کرنے کے تاکیدی احکام آئے ہیں۔[۲]

تقویٰ کی اہمیت کا اندازہ اس صداقت سے بھی ہوتا ہے کہ کتاب اللہ میں جہاں بنی نوع انساں کو عبادت الٰہی کا حکم دیا گیا، اس کے بعد اس کا مقصد یہ واضح کیا گیا کہ یہ حکم خداوندی اس لیے ہے تاکہ تمہارے اندر تقویٰ کا وصف پیدا ہوجائے۔ ارشاد ہوتا ہے:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝۲۱ ۔

(البقرہ:۲۱)

---

[۱] ملاحظہ ہو، بطور مثال، البقرہ:۲۱، ۶۳، ۱۷۹، الاعراف:۱۷۱، المؤمنون:۲۳　[۲] البقرہ:۱۹۴، ۱۹۶، ۲۰۳، ۲۲۳، آل عمران:۵۰، ۱۰۲، ۱۲۳، النساء:۱، ۱۳۱، المائدہ:۲، ۴، ۷، ۸، الانعام:۱۵۵، الانفال:۱، ۲۵، التوبۃ:۱۱۹، الشعراء:۱۰۸

[اے لوگو! تم لوگ اس رب کی عبادت کرو جس نے تم لوگوں کو پیدا کیا اور تم سے پہلے کے لوگوں کو پیدا کیا، تا کہ تم لوگ متقی و پرہیز گار بن جاؤ۔]

نظریہ اور عمل کی بنیاد پر اسلام کی جو شاندار اور عدیم المثال عمارت تعمیر ہوتی ہے، اس کے پانچ ستونوں میں روزہ مہتم بالشان عملی ستون کی حیثیت سے معروف ہے۔ فرضیت صوم کا مقصد بھی ذیل کی آیت کریمہ میں تقویٰ کے وصف سے زندگیوں کو مزین کرنا بتایا جاتا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾ (البقرۃ: ۱۸۳)

[اے ایمان لانے والو! تم پر روزے فرض کیے گئے جس طرح تم سے پہلے کے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے۔ (یہ اس لیے) تا کہ تم متقی و پرہیز گار بن جاؤ۔]

موت کے بعد کی زندگی ہی درحقیقت اصل زندگی ہے۔ اس زندگی کی فکر اگر غالب ہو جائے اور اس کے مطابق اگر بندہ مومن کے شب و روز گزرنے لگیں تو کامیابی حقیقی معنوں میں قدم بوس ہوتی ہے۔ تقویٰ کی اہمیت کا اندازہ اس آیت کریمہ سے بخوبی ہوتا ہے جس کے شروع میں بھی تقویٰ کی تلقین کی گئی اور آخر میں بھی، تا کہ کل کی زندگی جو آخرت سے عبارت ہے وہ ہر طرح مامون و محفوظ ہو جائے۔ فرمایا جاتا ہے:

یا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللهَ۔ (الحشر: ۱۸)

[اے ایمان لانے والو! اللہ سے ڈرو اور ہر شخص کو اس بات کے لیے فکر مند ہونا چاہیے کہ اس نے کل کے لیے کیا کچھ بھیج رکھا ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو۔]

تقویٰ والی زندگی کا نتیجۂ خیر اس دنیا میں بھی سامنے آتا ہے اور اس دنیا کے بعد لا فانی دنیا میں تو بہر حال اس کے ثمرات و برکات سامنے آتے ہی ہیں۔ بندۂ مومن جو تقویٰ کی روش پر گامزن ہو کر اپنی زندگی گزارتا ہے، وہ غیر متوقع طریقے سے خوشحال و فارغ البال ہوتا ہے۔ متعدد قرآنی آیات میں متقین کو اللہ رب العزت کی معیت و خوشنودی کا پروانہ ملتا ہے اور اس کے نتیجے میں فوز عظیم سے ہمکنار ہونے کی بشارت ملتی ہے۔[۱] تقویٰ کے نتیجے میں اس دار فانی میں بھی اور موت کے بعد کی ابدی زندگی میں بھی جن برکات کا ظہور ہوتا ہے، ان کی تصویر ان آیات کریمہ میں قابل ملاحظہ ہے:

خَیْرًا ؕ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةٌ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ ؕ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۳۰﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِیْهَا مَا یَشَآءُوْنَ ؕ كَذٰلِكَ یَجْزِی اللّٰهُ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۳۱﴾ الَّذِیْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ

الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۲﴾ (النحل ۳۰۔۳۲)

[اس طرح کے نیکو کار لوگوں کے لیے اس دنیا میں بھی بھلائی ہے اور آخرت کا گھر تو ضرور ہی ان کے حق میں بہتر ہے۔ کیا ہی خوب گھر ہے متقیوں کا۔ دائمی قیام کی جنتیں، جن میں وہ داخل ہوں گے، نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی، اور سب کچھ وہاں ان کی چاہت وخواہش کے مطابق ہوگا۔ یہ جزا دیتا ہے اللہ متقیوں کو۔ ان متقیوں کو جن کی روحیں پاکیزگی کی حالت میں جب ملائکہ قبض کرتے ہیں تو کہتے ہیں سلام ہو تم پر، جاؤ جنت میں اپنے اعمال کے بدلے میں۔]

ایک متقی دنیا اور آخرت دونوں کی سعادتوں کا استحقاق ثابت کرتا ہے۔ اس سلسلے میں اللہ رب العزت کی یہ سند ملاحظہ ہو:

أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ. الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۔ (یونس: ۶۲۔۶۴)

[سنو! جو اللہ کے دوست ہیں، جو ایمان لائے اور جنھوں نے تقویٰ کا رویہ اختیار کیا، ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں ہے۔ دنیا اور آخرت دونوں زندگیوں میں ان کے لیے بشارت ہی بشارت ہے۔ اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں، یہی بڑی کامیابی ہے۔]

قرآن مجید فکر وفن کا وہ شاہکار ہے جس کے عشر عشیر تک بھی دنیا کا کوئی شہ پارہ پہنچنے سے قاصر وکوتاہ ہے۔ یہ پوری انسانی برادری کے لیے خدائے ذوالجلال کا عطا فرمودہ ضابطۂ زندگی ہے۔ اس کی تعلیمات وہدایات آفاقی ہیں اور ہر خطۂ ارض اور نسل انسانی کے ہر گروہ کو مخاطب بناتی ہیں۔ دنیا اور سامانِ دنیا اس کی تعلیمات کی روشنی میں شجر ممنوع کی حیثیت نہیں رکھتے، بلکہ سراپا خیر وحسنہ بن جاتے ہیں، اگر اللہ کی اطاعت وسرافگندگی کی حالت میں یہ حاصل ہو رہے ہوں۔ آخرت کی زندگی کی کامیابی ہی ہدف ومقصود قرار پا رہی ہو اور شب وروز مرضیٔ مولا کے مطابق گزر رہے ہوں تو یقینی طور پر وہاں کی لازوال مسرتیں ملتی ہیں، نیز مال، اولاد، عزت اور اقتدار، گویا یہ دنیا بھی فضلِ الٰہی کی شکل میں ایک بندۂ مومن کو ملتی ہے۔ ایمان، عمل صالح، اخلاص اور تقویٰ وہ عوامل واسباب ہیں جو حقیقی اور ہمہ گیر کامیابی کے حصول میں بندۂ مومن کے لیے قیمتی زادِ راہ ثابت ہوتے ہیں۔

☆☆☆

حضرت مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی

ترتیب وپیشکش: خلیل الرحمٰن

مثالی داماد

حمد وصلاۃ کے بعد:

انسان اگر سنور جائے تو فرشتوں کو بھی پیچھے چھوڑ دیتا ہے اور اگر بگڑ جائے تو شیطان کو بھی شرما دیتا ہے۔ بہو نیکی کی طبیعت والی ہو تو بہو ہوتی ہے اور اگر بگڑ جائے تو بو ہوتی ہے، یہی حال داماد کا ہے اگر نیکی پر آجائے تو بیٹوں کی مانند ہے اور اگر بگڑ جائے تو دل کو دکھی کر دیتا ہے، بہترین داماد کی مثالیں اگر دیکھنی ہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک زندگی میں دیکھو۔

نبی علیہ السلام کے داماد ہمارے لئے مثال ہیں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دامادوں میں سیدنا عثمان غنیؓ کا نمبر آتا ہے، اللہ نے ان کو مال بھی دیا تھا، سخاوت بھی دی تھی اور حیا ایسی دی تھی کہ فرشتے بھی شرماتے تھے، اللہ اکبر کبیرا۔ انسان کے اندر ایسی حیا ہو کہ فرشتے بھی اس سے شرم کریں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دو بیٹیاں ان کے نکاح میں آئیں اسی لئے ان کو ذو النورین کہا گیا ’’دونوروں والے‘‘ پھر سیدنا علیؓ کی مبارک زندگی کو دیکھیں کہ غربت ہے مگر علم اور فہم ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اقضاکم علی (تم میں سب سے زیادہ قوتِ فیصلہ والا شخص علی ہے) چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دو طرح کے علوم امت کے اندر پھیلے، ایک علوم ولایت اور دوسرا علوم نبوت۔ علوم ولایت سب سے زیادہ حضرت علیؓ کے ذریعہ پھیلے اور جو علوم نبوت تھے وہ سیدنا صدیق اکبرؓ کے ذریعہ سے امت میں پھیلے۔ سیدنا عثمان غنیؓ کو نبیؐ سے کتنی محبت تھی، اس کے کتابوں میں بہت سے واقعات ہیں۔

ایک مرتبہ انہوں نے نبیؐ کو دعوت دی اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ میرے گھر تشریف لایئے اور میرے ساتھ کھانا کھایئے، نبیؐ نے دعوت قبول فرمالی چنانچہ جب حضرت عثمان غنیؓ لینے کے لئے آئے تو نبیؐ چل پڑے، اب عثمان غنیؓ حضرت نبیؐ کے قدموں کو دیکھتے جارہے ہیں اور نہ آگے دیکھتے ہیں نہ پیچھے، نہ دائیں نہ بائیں بس آپ کے قدموں ہی کو دیکھتے جارہے ہیں، جب گھر پہونچے تو صحابہ کرامؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

خدمت میں عرض کیا کہ اللہ کے نبی آج عثمان غنی کی کیا کیفیت تھی، وہ سارا راستہ بس آپ کے قدموں ہی کو دیکھتے رہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان سے پوچھا کہ عثمان کیا ایسی بات تھی، عرض کیا کہ جی ہاں اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آج میرے گھر میں وہ ہستی مہمان بن کر آئی کہ میں نے نیت کی ہوئی تھی کہ آپ اپنے گھر سے میرے گھر تک جتنے قدم چلیں گے میں اتنے غلام اللہ کے نام پر آزاد کردوں گا، ہر ہر قدم پر غلام آزاد کروں گا، اتنی محبت تھی نبیؐ سے۔

ایک مرتبہ اللہ کے حبیب عید کی نماز پڑھنے کے لئے جانے لگے تو ام المومنین نے کہا کہ کچھ پیسے دے دیجئے ہم کوئی کھانے کی چیز پکالیں عید کی نماز کے بعد شہر کی بیوائیں اور یتیم بچے آئیں گے، ہم خود بھی کھائیں گے اور ان بچوں کو بھی کھلائیں گے، تو نبیؐ نے جواب دیا کہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے دینے کو، ام المومنین خاموش ہوگئیں، اللہ کے حبیب جب عید کی نماز کے بعد واپس تشریف لائے تو دیکھا کہ گھر میں تو خوب کھانا بھی بنا ہوا ہے، عورتوں اور بچوں کی بھیڑ ہے، اور سب خوب کھانا کھا رہے ہیں دسترخوان پر، تو نبیؐ نے ام المومنین سے پوچھا کہ سب کھانا پینا کہاں سے آیا انہوں نے کہا کہ اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب آپ عیدگاہ تشریف لے گئے تو آپ کے جانے کے بعد سیدنا عثمان غنیؓ نے آپ کی ہر ہر زوجہ کے گھر ایک ایک اونٹ سامان سے بھرا ہوا بھیجا سب کے گھروں میں تو میرے گھر میں بھی ایک اونٹ آیا جو سامان سے بھرا ہوا تھا اسی سامان سے میں نے کھانا بنایا خود کھایا اور مدینہ کی بیواؤں اور یتیم بچوں کو بھی کھلایا، نبیؐ کا دل بہت خوش ہوا، چنانچہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دعا مانگی **یا رحمٰن سهل الحساب علی العثمان** (اے رحمٰن! عثمان کا حساب و کتاب آسان کردینا)

داماد اپنے سسر کے ساتھ تعلق کو کس طرح بہتر بنائے

اس لئے داماد کا ایک تعلق ہونا چاہئے اپنے سسر کے ساتھ، ریسرچ یہ ہے کہ جو داماد اپنی سسرال والوں کے ساتھ اچھا تعلق رکھتا ہے تو اس کے Divorce (طلاق) کے Chances (امکانات) ۲۰ فیصد کم ہوجاتے ہیں Respect and love your in-laws like your own parents (اپنے ساس سسر کی ویسے ہی عزت کرو جس طرح اپنے ماں باپ کی کی جاتی ہے) Take care of them as your own parents۔ ان کا اسی طرح خیال رکھو جس طرح کوئی انسان اپنے ماں باپ کا خیال رکھتا ہے چونکہ شریعت نے ان کو ماں باپ کا درجہ اور رتبہ دیا ہوا ہے، Remember their

سسرال والوں کی اہم چیزوں کا خیال رکھنا چاہیئے important occasions and events. تاکہ انسان ان کی خوشیوں میں شریک ہو سکے۔اور اپنے ساس سسر کو وقتاً فوقتاً فون کرتے رہنا چاہیئے تاکہ ان کی خیریت معلوم ہو سکے Consider and take seriously the advise and suggestions given by your in-laws سسرال والے خاص طور پر ساس سسر جو مشورہ دیتے ہیں ان کو بہت غور سے سننا چاہیئے، اس پر عمل کرنے سے میاں بیوی کے آپس کے تعلقات اچھے ہوتے ہیں اور زندگی کے اندر پریشانی نہیں آتی Ask for their opinion in different matters مختلف کاموں میں جو بھی انسان کرنا چاہے اس کے بارے میں اپنے ساس سسر سے مشورہ لے لے اس سے ان کو خوشی بھی ہوتی ہے اور غلطیاں بھی کم کرتا ہے Give them gifts اور کبھی کبھی انسان اپنی حیثیت کے مطابق ہدیہ بھی دے۔ہدیہ کی مالیت کا اتنا فرق نہیں پڑتا، بے شک کم قیمت ہوں لیکن ان کی ضرورت کے مطابق ہوں تو اس سے ان کو خوشی ہوتی ہے، سامان کا مسئلہ نہیں ہوتا سامان کے پیچھے جو سوچ ہوتی ہے ان کو اس سوچ پر خوشی ہوتی ہے کہ اس بچے نے ہمیں ماں باپ کا درجہ دیا اور ہمیں اس نے ہدیہ دیا Love their daughter they wiill be happy سسرال والوں کو خوش کرنے کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ ان کی بیٹی کو محبت اور پیار سے رکھیں تو سب کے سب خود ہی خوش ہوں گے Praise your wife in front of her parents سسرال میں اگر انسان ہے تو اس کو چاہیئے کہ ان کے ماں باپ کے سامنے ان کی بیٹی کی تعریف کرے اس سے بیوی کا دل بھی خوش ہوتا ہے اور اس سے ماں باپ کا دل بھی مطمئن ہو جاتا ہے کہ داماد ہماری بیٹی سے محبت و پیار کرتا ہے اس کو محبت سے اپنے پاس رکھے گا attend family gathering, build with them special relationship with your father in-law ۔مرد مردوں کی طبیعتوں کو جلدی سمجھتے ہیں، اس لئے سسر کو اپنی بات سمجھنا یا بتانا نسبتا آسان ہوتا ہے تو اس کے ساتھ انسان اپنا تعلق زیادہ مضبوط رکھے اس کی وجہ سے بیٹی بھی خوش رہتی ہے کہ میرے شوہر کے اچھے تعلقات ہیں۔

اگر ساس سسر کے ساتھ تعلق رکھنے میں کوئی مسئلہ بن رہا ہے تو Consult your wife بیوی سے مشورہ کرنا چاہیئے وہ چونکہ ان کی بیٹی ہے اس لئے وہ ہمیشہ خاوند کو صحیح مشورہ دیگی؛ کہ اس طرح کرنے سے اس کی مشکل پہلے کی بنسبت آسان ہو جائے گی Never stop your wife from visiting her

parentsاگر بیوی کا دل اپنے ماں باپ سے ملنے کا چاہے تو خاوند کو چاہئے کہ حتی الوسع جتنا بھی ممکن ہو سکے اس کے جانے میں رکاوٹ نہ پیدا کرے۔

ایک واقعہ

ایک واقعہ سامنے آیا، ہمارے ایک قریبی تعلق والے حافظ صاحب ہیں ان کی بیوی عالمہ ہیں تو اس نے کہا کہ مجھے شادی کے بعد سے اپنے ماں باپ کو دیکھے ہوئے نو سال گذر گئے ہیں میرا دل چاہتا ہے کہ میں کم سے کم سال میں ایک بار تو جا کر اپنے ماں باپ کو دیکھوں مگر ہمارے شوہر کہتے ہیں کہ میں نہیں لے جا سکتا، ٹکٹ کے پیسے نہیں ہیں، میں نے کہا کہ خود جاتے ہیں کہنے لگی کہ وہ سال میں خود تین چار چکر لگا لیتے ہیں تو میں نے کہا کہ یہ تو نا انصافی ہے کہ اپنے ماں باپ سے ملنے کے لئے تو تین چار دفعہ چکر لگ رہا ہے اور بیوی سے کہا جائے کہ میں لے نہیں جا سکتا اس کو بٹھایا ہوا ہے، اس لئے کہ وہ دین دار ہے جھگڑا نہیں کرتی، گھر میں تماشے نہیں کرتی اس لئے اس کا احساس ہی نہیں، میں نے ان کو سمجھایا کہ آپ نے بیوی کو کیوں قید کیا ہوا ہے، انسان ہے اس کا دل ہے، انسان اداس ہوتا ہے اپنے ماں باپ کے لئے اور یہ ایسے قریبی رشتے ہیں جس سے انسان پیچھے بھی نہیں ہٹ سکتا کہ بھئی ماں باپ کو بھول جاؤ ایسا تو کر نہیں سکتا انسان تو آپ مہربانی فرمائیں اور خود بے شک ایک چکر سال کا لگائیں اور ایک چکر ان کو بھی لگانے دیں ان کو نو سال گذر چکے ہیں۔ خیر انہوں نے مہربانی کی اور اپنے بیوی بچوں کو وہ لے گئے اور ان کی ان کے والدین سے ملاقات ہوگئی۔ تو یہ نا انصافی ہوتی ہے کہ بیوی کہے کہ مجھے اپنے ماں باپ سے ملنا ہے اور خاوند اس میں رکاوٹ ڈال دے اور جب بھی بیوی کو بھیجنا ہو تو ہمیشہ کوشش یہ کرنا چاہئے کہ انسان خود اس کو چھوڑ کر آئے اور خود لے کر آئے۔

اپنے ساس سسر کا خیال رکھیں

کئی لوگ تو بڑے شہزادے بنتے ہیں کہ ہاں! میری طرف سے تمہیں جانے کی اجازت ہے ابو سے کہو کہ آ کر لے جائیں اور کچھ دنوں کے بعد واپس چھوڑ جائیں، ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ مہربانی فرماتے ہیں جو اپنے اہل خانہ پر خرچ کرتا ہے اللہ اس کے رزق میں اتنی برکتیں ڈال دیتے ہیں Don't be impatient with in-laws ایک اور نکتہ Welcome them to your home اگر ماں باپ اپنی بیٹی سے ملنے کے لئے آنا چاہیں تو ہمیشہ ان کا استقبال کریں کبھی انکار نہ کریں Talk about your strength to your father in-law اگر آپ کے اندر کچھ اچھی خوبیاں ہیں اور کچھ

اچھائیاں ہیں تو آپ ان کے بارے میں اپنے سسر سے باتیں کریں کیوں کہ وہ مرد ہیں اس لئے وہ آسانی سے سمجھ جائیں گے ان باتوں کو اور جب وہ مطمئن ہوجائیں گے تو ان کی وجہ سے سارے گھر والے مطمئن ہوجائیں گے Project ambitions in front of father in-law سسر کے سامنے اپنی زندگی کے مقاصد ضرور بیان کریں، میں یہ کرنا چاہتا ہوں، میں یہ کرنا چاہتا ہوں اس سے سسر کو خوشی ہوتی ہے۔ کہ بچہ اپنی زندگی میں کچھ بن کر دکھانا چاہتا ہے، محنت کرنے والا بچہ ہے، یہ ضروری نہیں ہوتا کہ والدین کو اس سے خوشی ہو کہ بچہ اس وقت کیا ہے اور بندہ شروع میں آسمانوں میں نہیں ہوتا مگر وہ یہ چاہتے ہیں کہ بچہ جہاں بھی ہو اس میں ترقی کرنے کی قوت ہونی چاہئے، وہ کوشش کرے اپنے آپ کو آگے پڑھانے کے لئے اس چیز سے ان کو خوشی ہوتی ہے کہ بچہ محنت تو کررہا ہے نا، آگے بڑھنے کوشش میں لگا ہے۔ تو اس لئے اپنی زندگی کے مقاصد کو ان کے سامنے خوب بیان کریں۔

Answer them nicely act maturely جب بات کریں تو ان کو اچھا جواب دیں ،کوشش کریں کہ سسرال والوں کے ساتھ سیاست پر بحث نہ کریں کیوں کہ اکثر بیشتر لوگوں کی طبیعت مختلف ہوتی ہیں اور اس سے طبیعتوں میں مخالفت آجاتی ہے۔ اس لئے مناسب نہیں ہے کیوں کہ یہ بہت نازک رشتہ ہے اس کو کمزور نہ ہونا چاہئے۔ تو ایسی گفتگو ہی نہ کریں، ساس کی نظروں میں اچھا بننے کی کوشش کریں، جب ماں مطمئن ہوگی تو یقیناً بیٹی اس سے زیادہ خوش ہوجائے گی، سرال والوں کی طرف سے اگر چھوٹی چھوٹی باتیں ہوں تو ان کو دلوں سے نکال دینا چاہئے، انسان اگر دیکھنا شروع کرے تو وہ دوسروں کے اندر سے کیا کیا برائیاں نکال لیتا ہے لیکن اس کو اگر نظر انداز کرنا چاہے تو نظر انداز بھی کرسکتا ہے اس لئے چھوٹی چھوٹی باتوں کو نظر انداز کرکے اپنے رشتے کو بہت مضبوط رکھنا چاہئے۔

ہمارے یہاں جو نیک بچے ہوتے ہیں وہ سسرال والوں کے لئے اولاد کی مانند بن کے رہتے ہیں اور جو نیک نہیں ہوتے وہ اپنی بیویوں کو تنگ کرتے ہیں اور سسرال والوں کے لئے پریشانی کا سبب بنتے ہیں، اسی لئے داماد کا رشتہ عام طور پر بڑا نازک رشتہ سمجھا جاتا ہے، ہمارے ملک میں جو کلرک بادشاہ کا کام کرتے ہیں ان کو لوگ کہتے ہیں ہ یہ بھئی گورنمنٹ کے داماد ہیں ان کو کیا کہنا کام کے لئے، یعنی یہ لفظ ایک مثال بن گیا ہے ان کے لئے کہ آپ ان کو کہہ بھی کچھ نہیں سکتے۔

دلچسپ واقعہ

کتابوں میں ایک چٹکلہ لکھا ہے کہ ایک ساس کے تین داماد تھے تو ساس کو تیرنا نہیں آتا تھا، ایک دن

اس نے سوچا کہ میں ذرا دیکھوں تو کہ میرے تینوں دامادوں میں سے سب سے زیادہ مجھے کس سے محبت ہے چنانچہ اس نے پہلے داماد کو بلایا اور کھانا کھلایا اور گھر کے سوئیمنگ پول کے قریب آئی اور قریب آکر اس کا پاؤں پھسلا اور وہ گر گئی اس کا داماد قریب تھا اس نے دیکھا کہ میری ساس سوئیمنگ پول میں گر گئی ہے اس نے بھی فوراً چھلانگ لگا دی اور ساس کو فوراً باہر نکال لیا اس بات پر ساس بہت خوش ہوئی اور اس نے ایک TOYOTA نئی گاڑی اسکو ہدیہ کے طور پر دی کہ میرے داماد نے میری جان بچائی اب میں اس کو اپنی طرف سے ہدیہ دیتی ہوں۔

پھر اس نے دوسرے داماد کو دعوت دی کھانا کھلایا اور اسی طرح بات کرتے کرتے وہ سوئیمنگ پول کے قریب پہونچے اور ساس صاحبہ جو تھیں وہ پھر پانی میں گر گئیں اب کی جو داماد تھا اس نے تھوڑا فیصلہ کرنے میں دیر کردی۔انسان سوچتا ہے نا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔یہ باہر کھڑا ہی اس سے کہتا رہا کہ نکل آئیں،ادھر آئیں ۔مگر خود اس نے چھلانگ نہیں لگائی چنانچہ اس دوران چند ڈبکیاں اس کو آگئیں پھر داماد نے چھلانگ لگائی اور اپنی ساس کو نکال لیا،وہ بچ تو گئی لیکن ڈبکیاں اس کو اچھی خاصی آگئی تھیں تو ساس نے سوچا کہ میرے اس داماد کو پہلے کی نسبت کم محبت ہے چنانچہ اس کو اس نے تحفہ تو دیا لیکن موٹر سائیکل لے کر دی۔

اس کے بعد اس نے تیسرے داماد کی دعوت کی،کھانا کھلایا اور اسی طرح بات چیت کرتے ہوئے سوئیمنگ پول کے قریب آئے اور ساس صاحبہ کسی بہانے سے پانی کے اندر گر گئیں اب وہ سوچنے لگا کہ پہلے نے جان بچائی تو اس کو کار ملی اور دوسرے نے جان بچائی تو اس کو موٹر سائیکل ملی اب اگر ہم جان بچائیں گے تو مجھے تو سائیکل ملے گی اور وہ تو میرے پاس پہلے سے ہے اس لئے جان بچانے سے کیا فائدہ اس لئے اس نے چھلانگ ہی نہیں لگائی۔نتیجہ کیا نکلا؟ کہ وہ ساس صاحبہ ڈوب گئیں کیوں کہ تیرنا تو جانتی نہیں تھیں تو جب ڈوب گئی تو بہر حال غم کی سی حالت اور کیفیت تھی لیکن یہ داماد جب اگلے دن اٹھا تو اس کے دروازے پر ایک نئی گاڑی کھڑی ہوئی تھی یہ اس کو دیکھ کر حیران ہوا کہ یہ کہاں سے آئی؟ اس پر ایک نوٹ لکھا ہوا تھا کہ یہ تمہارے سسر کی طرف سے تمہیں ہدیہ ہے۔میں تمہارا بہت ممنون ہوں۔

ایک اہم ریسرچ کا خلاصہ

ایک ریسرچ پیپر میں یونیورسٹی کے ایک ڈاکٹر تھے اور Human Relationship (انسانی رشتہ داری) پر ان کو بڑی مہارت تھی،انہوں نے کئی سو عورتوں کا انٹرویو لیا کہ وہ اپنے خاوند سے کیا چاہتی ہیں،یعنی

وہ عورتیں جو کافی تعلیم یافتہ تھیں اور اپنی زندگی میں بڑی کامیاب تھیں ان سے انٹرویو کیا کہ ہمیں یہ بتاؤ کہ عورت کی تمنا خاوند کے معاملہ میں کیا ہوتی ہے؟ تو انہوں نے کچھ پوائنٹس بتائے ان پوائینٹس سے پتا چلتا ہے کہ عورت کی کبھی بھی یہ خواہش نہیں ہوتی کہ میرا خاوند دنیا کا امیر ترین انسان ہونا چاہئے، ہاں یہ ضرور ہوتی ہے کہ میرا خاوند جو بھی ہے اس کے اندر آگے بڑھنے کا شوق ہونا چاہئے، محنتی ہونا چاہئے، جدو جہد کرنے والا ہونا چاہئے تو یہ چیز عورتوں کو قبول ہوتی ہے۔

پہلی بات جو ان عورتوں نے بتائی وہ یہ کہ ہم چاہتے ہیں کہ خاوند ہمارے ساتھ اچھی Conversation ہمارے ساتھ بات چیت کرے، ہمیں Mental اور Emotional طور پر ساتھ دے، یہ بات چیت اور Emotional support یوں سمجھیں کہ یہ عورت کے لئے کھانے سے بھی زیادہ ضروری چیز ہوتی ہے۔ اور اللہ کی شان کہ آج کل کے خاوندوں کے پاس تو بات کرنے کی فرصت ہی نہیں ہوتی، وہ بیوی سے بات ہی نہیں کرتے، آدھا جملہ بیوی بولے گی تو اس پر ناراض ہو کر چیخنا شروع کر دیں گے یہ بہت بڑی غلطی ہے جو خاوند کرتا ہے۔

دیکھیں سائنس بتاتی ہے کہ انسان کے دماغ میں جو بات چیت کرنے والا حصہ ہے اس سے ایک مرد کے جسم میں جتنی وائرنگ ہے اس سے دوگنی وائرنگ عورت کی ہوتی ہے یعنی مرد کے دماغ سے جسم کے اعضا کی طرف وائرنگ آدھی ہوتی ہے اور عورت کی قدرتی اس کے دماغ سے اس کے اعضا کی طرف جو وائرنگ ہے وہ دوگنی ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بات چیت یہ عورت کی ضرورت ہوتی ہے، اللہ نے اس کی configuration اس انداز سے بنائی ہے، اور اس میں حکمت ہے وہ یہ کہ خاوند تو گھر سے چلا گیا اپنے دفتر یا اپنے کارخانہ میں اور وہ آتا ہے رات کو تو اللہ نے عورت کو ایسا بنایا ہے کہ دن کی جتنی کارگذاری ہے اب وہ سنائے بغیر رہ نہیں سکتی اس کا دل چاہتا ہے کہ میرے خاوند آئیں میرے پاس چند منٹ بیٹھیں اور مجھ سے پوچھیں کہ دن کیسا گذرا تو میں اس کو ساری کارگذاری سناؤں، اب جب خاوند اس سے بات ہی نہیں کرتا تو عورت کی جو ضرورت ہوتی ہے وہ پوری نہیں ہوتی، عورت کی بات ہمیشہ سننی چاہئے۔ اس کو وقت دینا اور اس کی بات کو تسلی کے ساتھ سننا یہ اس کا حق ہے خاوند پر۔

چنانچہ جو لوگ اپنے بیوی کی بات کو نہیں سنتے ان کے گھروں میں خرابیاں آجاتی ہیں، وجہ کیا ہے؟ وہ یہ کہ اس عورت کو بات تو کرنی ہی ہے کیوں کہ اس کی فطرت ہی ایسی ہے اب وہ بات کرے گی اپنی کسی کلاس فیلو سے تو وہ جوانی میں اس کو الٹے سیدھے مشورہ دے گی۔ A young leading the young is

like blind leading the blind they both will fall into the ditch۔ایک نوجوان اگر دوسرے نوجوان کی رہبری کرے تو یہ ایسا ہی ہے جیسے ایک اندھا دوسرے اندھے کی رہبری کرے؛دونوں گڑھے میں گریں گے، یا پھر وہ اپنی ماں کو فون کرے گی اور ان سے مشورے لینے شروع کردے گی تو یہ Remote control position بھی اچھی نہیں ہے اور اگر خدانخواستہ قریب کے کسی غیر محرم کو بھنک پڑگئی تو وہ اس کا بڑا ہمدرد بن کر اس کی بات کو سنے گا اور عورت شیطان کے راستے پر چل پڑے گی اس لئے جو لوگ اپنی بیویوں کی بات نہیں سنتے ،وہ اپنی بیوی کو گناہ کے راستے پر دھکے دے رہے ہوتے ہیں، یہ اس کا حق ہے کہ اس کی بات کو سنا جائے اس میں پندرہ منٹ لگیں یا آدھا گھنٹہ لگے جتنا وقت بھی لگے یہ ایک فرض چیز ہے جس کو پورا کرنا ضروری ہے۔لہٰذا بیوی کی بات کو توجہ سے سننا اور پھر اس کے مطابق اس سے گفتگو کرنا یہ سب سے پہلی خواہش ہوتی ہے کسی بھی بیوی کی۔مرد بولتے کم ہیں اور اپنے کام زیادہ کرتے ہیں۔

اس کے بعد ان عورتوں نے کہا کہ ہم ایسے خاوند کو پسند کرتے ہیں۔ Someone who is trying for excellence in sprituality۔جو روحانیت میں آگے بڑھنے کی کوشش کررہا ہو ایسا خاوند ہمیں اچھا لگتا ہے ،یعنی جو چاہے کہ میرے اندر سے روحانی بیماریاں ختم ہوجائیں ،شہوت ،غصہ ،بخل ،حرص ،عجب ،تکبر اور کینہ یہ بیماریاں میرے اندر سے ختم ہوجائیں اور اس کے لئے وہ کوشش کررہا ہو تو ان کو ایسا خاوند اچھا لگتا ہے کہ ہمارا خاوند اپنے اندر اعلیٰ اخلاق پیدا کرنے کے لئے کوشش کررہا ہے اس بات سے وہ بہت خوش ہوتی ہیں۔He should try to be best۔ان عورتوں نے کہا کہ ہم اس بات کو جانتے ہیں کہ کوئی انسان مکمل نہیں ہوتا لیکن اس کو کوشش تو کرنی چاہئے اچھا بننے کے لئے۔

ایک ریسرچ یہ تھی کہ Someone is sensitive to know what is happening to me۔خاوند ہمیں ایسا اچھا لگتا ہے جس کو یہ فکر ہو کہ ہمارے ساتھ کیا گذر رہی ہے، وہ ہم سے معلوم کرے ہم سے پوچھے ہم کو بات کرنے کا موقع دے۔اور ایسے خاوند کو ہم پسند کرتے ہیں۔ Who is family oriented جو گھر کا خیال رکھے، بچوں سے پیار کرے اور گھر کے کاموں میں دلچسپی لے ۔ایک آخری پوائینٹ انہوں نے بتایا کہ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارا خاوند ایسا ہو کہ جس کی اچھائیوں کی وجہ سے اس کے سامنے Submit کرنے کو ہمارا دل چاہے، یعنی ہمارا دل چاہے کہ ہم اس کے سامنے جھک جائیں اور اس کی ہر بات کو تسلیم کرلیں، تو یہ بات ٹھیک ہے کہ انسان کو اپنے گھر کے اندر اتنے اچھے اخلاق کی زندگی گزارنی

چاہئے کہ بیوی اس کے اخلاق کی وجہ سے اس پر قربان ہوجائے۔رزق کے فیصلے تو اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔اگر انسان اچھے اخلاق کا اظہار کرے تو ہم نے یہ دیکھا ہے کہ عورت غربت کے اندر بھی گذارا کر لیتی ہے۔تنگی ترشی بھی برداشت کرلیتی ہے، اگر اس کو محبت اور پیار ملے۔

ہم چھوٹی سی عمر میں تھے جب پرائمری کے تیسرے چوتھے کلاس میں تھے۔ہمارے یہاں کچھ مداری دکھانے والے آتے تھے، بندر کے کرتب، بھالو کے کرتب تو وہ ہماری تفریح ہوتی تھی، اس زمانہ میں نہ فون ہوتے تھے، نہ کوئی ٹی وی، بالکل سادہ زمانہ تھا۔تو جب کبھی مداری ڈگڈگی بجاتا تو محلے کے سارے بچے جمع ہوجاتے تھے اور اس کا تماشا دیکھتے تھے، وہ کبھی کبھی بندر کا تماشا دکھاتے تھے، اس تماشے میں جو سب سے اہم ہوتا تھا وہ یہ کہ مالک بندر کو کہتا تھا کہ اچھا تو اپنی سسرال جائے گا تو کیسے جائے گا؟ اور بندر یہ سنتے ہی اپنے سر پر ایک ٹوپی رکھتا، کوئی چیز ہاتھ میں پکڑتا اور کمر پر ہاتھ رکھ کے ایسی شان سے چلتا تھا کہ معلوم نہیں کون شہزادہ آرہا ہے۔اپنی چھوٹی عمر میں بندر کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔

سسرال والے جتنی عزت کرسکتے ہیں کرتے ہیں۔مگر داماد کی Expectation (توقعات) جو ہوں وہ مناسب درجہ کی اور Realistic (حقیقت پسندانہ) ہونی چاہیے۔وہ اپنے آپ کو گھر کا ایک چھوٹا فرد سمجھے اور پیار و محبت سے زندگی گذارے۔دنیا کی زندگی تو گذر جائے گی لیکن اگر محبت و پیار سے رہے تو اللہ کے یہاں کامیابی ہوگی۔اللہ تعالیٰ ہمارے گھروں کی پریشانیوں کو دور کرے، اور بچوں کو خوشیوں بھری زندگی نصیب فرمائے۔

وأخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

☆☆☆

گذشتہ رمضان المبارک ۱۴۳۶ھ دوران اعتکاف لوساکا زامبیا میں

ریحانۃ العصر حضرت مولانا **ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی** دامت برکاتہم

نے عمومی مجالس، خصوصی مجالس اور مستورات کی مجالس میں جو بیانات کئے تھے، اُن کی CD ہمارے یہاں دستیاب ہیں،

نیز مدیر **الفرقان** حضرت مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی مدظلہ کے مختلف بیانات کی Cds بھی ہم سے حاصل کرسکتے ہیں

رابطہ کریں:

نعمانی اکیڈمی: 07744960574-9369026355-0522-4079758

ابوالاسرار رمزی (مرحوم)

ہاتف غیبی کی پکار!

پھر گرمی توحید سے اک آگ لگادو　　جذبات کے شعلوں کو ثریّا سے ملادو
آفاق کے روزن سے بلا جھانک رہی ہے　　ایسے میں محمد کے غلاموں جگادو
ایمان کی حرارت لئے پھر آگ سے کھیلو　　گرداب کی موجوں کو شرربار بنادو
یہ شام و سحر، شمس و قمر کس کے لئے ہیں　　دنیا ہے یہ کس کے لئے دنیا کو بتادو
سجدے میں گریں چیخ کے سب خوف کے مارے　　پھر ضربتِ کاری سے پہاڑوں کو ہلادو
مشرق سے اچھل کر گرو مغرب کے افق پر　　اک جست جہانگیر زمانے کو دکھادو
تخلیق کرو اپنے ارادوں سے بلندی　　پستی کے مکینوں کو ستاروں میں بسادو

جو انتم الاعلون کے دلدادہ ہیں رمزیؔ
مومن کی بھی ہے شرط اُنہیں یاد دلادو

(ماخوذ: الفرقان، بریلی، شوال: ۱۳۶۰ھ)

نعمان محمد امین
کراچی پاکستان

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ علماء اور مشائخ کی نظر میں

اپنی کم علمی، لکھنے کے ہنر سے ناواقفیت اور الفاظ کے چناؤ سے نابلد ہونے کے باوجود آج جس شخصیت کے لیے قلم اٹھایا ہے جو تاریخ اسلامی کوہ بلند و بالا پہاڑ ہے جس نے کم سے کم برصغیر پاک وہند میں اسلام کو اس کی اصل صورت میں قایم رکھا۔ جس طرح اللہ رب العزت نے پہاڑ اس لیے بنائے ہیں کہ وہ زمین کو تھامے رہیں، اسی طرح اللہ رب العزت نے حجۃ الاسلام بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اسلام کو اس خطے میں جمانے کے لیے بھیجا تھا۔

اپنی زندگی کے پچاس سال پورے کرنے سے پہلے ہی اللہ رب العزت نے حجۃ الاسلام سے کتنے ہی اہم کام لیے، جن میں انگریز سامراج کے خلاف جہاد، اسلام پر اعتراضات کرنے والے ہندو پنڈتوں اور عیسائی پادریوں سے مناظرے، دارالعلوم دیوبند جیسی عظیم وعالی شان درس گاہ کا قیام، اس کے علاوہ حضرت کی قیمتی تصانیف جو ردِّ شیعیت، رد بدعات، ردِ غیر مقلدیت کے علاوہ قرآن وحدیث کے بے شمار اسرار و رموز کو کھولنے والی تحریرات بھی ہیں آپ ہی کی خدمات کا حصہ ہیں۔

اتنی کم عمر میں دین اسلام کی اتنی خدمات پر علامہ اقبال مرحوم کے یہ اشعار ذہن میں آجاتے ہیں:

یہ غازی، یہ تیرے پراسرار بندے
جنہیں تو نے بخشا ہے ذوق خدائی
دونیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی خدمات اور ان کی بلند پایہ شخصیت کے بارے میں اپنے اور پرائے جن علما ومشائخ نے جو کچھ کہا، جو میرے بہت ہی محدود مطالعے میں ہے وہ ان سطور میں درج کر رہا ہوں، کہ یہ خراجِ عقیدت ہے حجۃ الاسلام، قاسم العلوم والخیرات، الامام محمد قاسم النانوتویؒ رحمۃ اللہ علیہ کو۔

۱-شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ جو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے بھی شیخ ہیں اپنے مرید حضرت حجۃ الاسلامؒ کے بارے میں اپنے متعلقین سے فرماتے ہیں:

''اور جو شخص اس فقیر سے محبت وعقیدت وارادت رکھے، مولوی رشید احمد سلمہ گنگوہی اور مولوی محمد قاسم سلمہ نانوتوی کو کہ تمام کمالات ظاہری وباطنی ان میں موجود ہیں، راقم (حضرت حاجی امداد اللہؒ) کی جگہ سمجھے بلکہ مجھ سے فائق المدارج جانے، اگر چہ ظاہری معاملہ برعکس ہوگیا کہ میں ان کی جگہ اور وہ میری جگہ ہوگئے، اور ان کی صحبت کو غنیمت سمجھے کہ اس زمانے میں ایسے آدمی نایاب ہیں''۔

(ضیاء القلوب، ص: ۱۰۲-۱۰۰)

ایک شیخ کا اپنے مرید کے بارے میں یہ کہنا کہ انہیں میری جگہ ہونا چاہیے تھا یعنی وہ میرے شیخ ہوتے اور اس زمانے میں ایسے آدمی نایاب ہیں، یہ حضرت حجۃ الاسلام کے مرتبہ اور مقام کو واضح کرتا ہے۔

۲- حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ فرمایا کرتے تھے کہ:

''اگر حق تعالیٰ مجھ سے دریافت کرے گا کہ امداد اللہ کیا لائے؟ تو میں قاسم اور رشید کو پیش کر دوں گا کہ یہ لے کر حاضر ہوا ہوں''۔ (معارف الاکابر، ص: ۲۳۵)

۳- حضرت حاجی صاحبؒ نے اپنے مرید حضرت حجۃ الاسلام کے بارے میں فرمایا کہ:

''حق تعالیٰ اپنے بندوں کو جو اصطلاحی عالم نہیں ہوتے ایک لسان عطا فرماتے ہیں، چناں چہ حضرت شمس تبریزیؒ کو مولانا رومی لسان عطا ہوئے تھے، جنہوں نے حضرت شمس تبریزیؒ کے علوم کو کھول کھول کر بیان فرمادیا، اسی طرح مجھے مولوی قاسم صاحب لسان عطا ہوئے ہیں''۔

(قصص الاکابر، ص: ۷۵، امداد المشتاق، ص: ۱۶)

۴- ایک بار حضرت حاجی صاحب کی مجلس میں شاہ اسماعیل شہیدؒ کا تذکرہ ہو رہا تھا اور ان کے مناقب بیان ہو رہے تھے، حضرت حاجی صاحبؒ نے حضرت حجۃ الاسلام کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ:

''مولانا اسماعیلؒ تو تھے ہی، کوئی ہمارے اسماعیل کو بھی دیکھے''۔

(ارواحِ ثلاثہ، ص: ۲۰۴)

۵- حضرت حاجی صاحبؒ نے حضرت حجۃ الاسلام کے والد کے خط کے جواب میں جو جملہ لکھا تھا وہ بھی پڑھنے والوں کی نظر!

''اور شکر کریں کہ خدا تعالیٰ نے تمہیں ایک ولی کامل بیٹا عطا فرمایا ہے''۔ (انوار قاسمی،ص:۲۰۱)

۶- حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ جب پہلی بار حج پر گئے تھے اور وہاں حضرت حاجی صاحبؒ سے ملاقات ہوئی تھی تو حضرت حاجی صاحبؒ نے حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے بارے میں فرمایا تھا:

''ایسے لوگ کبھی پہلے زمانے میں ہوا کرتے تھے''۔ (انوارِ قاسمی،ص:۵۵۰)

ایک شیخ کا اپنے مرید کے بارے میں ایسے کلمات ادا کرنا، اس مرید کی قدر و منزلت کو واضح کرتا ہے۔

حضرت مولانا مہتاب علی صاحب:

۷- یہ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے استاذ تھے اور حضرت کے پڑھنے کے زمانے میں ہی انہوں نے اپنے شاگرد کا نام ''علم کی بکری'' رکھ دیا تھا۔ (سوانح قاسمی، جلد ا، ص:۱۹۲)

حضرت مفتی صدرالدین صاحبؒ:

۸- ان کا شمار بھی حضرت کے اساتذہ میں ہوتا ہے۔ ایک موقع پر مفتی صدرالدین نے حضرت نانوتویؒ کے بارے میں فرمایا تھا:

''قاسم بہت ذہین آدمی ہے، اپنی ذہانت سے قابو میں نہیں آتا''۔

(سوانح قاسمی، جلد ا ص ۲۶۶)

اساتذہ کا اپنے شاگرد کے بارے میں یہ بیان بھی بہت اہمیت کا حامل ہے۔

مولانا محمد امین احسن گیلانیؒ:

۹- یہ غالباً حضرت کے ہم عصر علما میں سے تھے اور مولانا مناظر احسن گیلانی کے جدِّ امجد تھے، وہ حضرت حجۃ الاسلامؒ کی تقریر کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ:

''مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ کی زبانِ مبارک پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ روح القدس کی تقریر ہو رہی ہے''۔ (سوانح قاسمی جلد ا ص ۳۹۲)

شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ:

۱۰- حضرت شیخ الہندؒ اپنے استاذ حجۃ الاسلامؒ کے درس سے متعلق فرماتے ہیں کہ:

”جب استاذ رحمۃ اللہ علیہ (حضرت نانوتویؒ) سے کوئی بات پوچھی جاتی تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ اس مسئلے کے تمام دلایل اکرام ہاتھ جوڑے ہوئے حضرت کے سامنے آ کھڑے ہوئے ہیں“۔

(سوانح قاسمی، جلد ا ص: ۳۴۳)

یہ تو وہ چند باتیں تھیں جو حضرت حجۃ الاسلامؒ کے متعلق اپنوں نے کہیں، پرائے حضرت کے متعلق کیا رائے رکھتے تھے، اس کا بھی یہاں تذکرہ ضروری ہے۔

مولوی نقی علی والد احمد رضا خان بریلوی:

۱۱- مولوی احمد رضا بریلوی جو حضرت نانوتویؒ سے بغض، نفرت، حسد، عداوت، کینہ رکھنے میں سب سے اوّل ہیں، جنہوں نے دھوکہ، فریب اور مکاری سے علمائے عرب سے حضرت کے خلاف کفر کا فتویٰ لیا اور اس کی تشہیر کی انہی کے والد مولوی نقی علی صاحب لکھتے ہیں:

مولوی رشید احمد صاحب محدث گنگوہی اور مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی علمائے دین اور مؤمنین صادقین میں سے ہیں“۔

(ملخصاً تحفۃ المقلدین، ص: ۱۵، مطبوعہ صبح صادق پریس، سیتاپور)

حکیم برکات احمد خیرآبادی:

۱۲- حکیم برکات احمد خیرآبادی اپنے صاحب زادے حکیم محمد احمد برکاتی سے فرماتے ہیں:

”مجھے ان (حضرت اقدس نانوتویؒ) سے ملانے کے لیے (والد صاحب حکیم دائم علی خیرآبادی) دیوبند لے گئے جب ہم پہنچے تو (حضرت اقدس مولانا نانوتویؒ) چھتہ کی مسجد میں سو رہے تھے مگر اس حالت میں بھی ان کا دل ذاکر تھا اور ذکر بھی بالجہر کر رہا تھا“

(سوانح حیات حکیم سید برکات احمد ص: ۱۸۵، مؤلف حکیم محمود احمد برکاتی خیرآبادی)

حضرت مولانا معین الدین اجمیریؒ:

۱۳- جب مولانا معین الدین اجمیریؒ سے (۱) حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ (۲) مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (۳) مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ (۴) مولانا اشرف علی تھانویؒ اور (۵) شاہ اسماعیل شہیدؒ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ:

”یہ حضرات مسلمان اور مسلمانوں کے پیشوا ہیں“ (براۃ الابرار، ص: ۲۰۹)

جب مولوی احمد رضا صاحب بریلوی نے علمائے دیوبند خصوصاً مندرجہ بالا پانچ بزرگوں پر کفر کا فتوی لگایا تو مولانا محمد عبدالرؤف خان جگن پوریؒ نے 1931ء میں پورے ہندوستان میں علما اور مشائخ سے فتویٰ طلب کیا کہ کیا حقیقتاً یہ پانچ بزرگ کافر ہیں تو اس کے جواب میں علمائے دیوبند کے حق میں 140 فتاویٰ اور ان پر 616 علماء اور مشائخ کی تصدیقات کے ساتھ ان تمام فتاواجات کو 1934ء میں ''برأۃ الابرار عن مکائد الاشرار'' ملقب بہ ''قہر آسمانی بر فرقہ رضا خانی'' کے نام سے چھاپ دیا گیا تھا۔ یہ تمام فتاواجات 2012 میں تحفظ نظریات دیوبند اکادمی نے دوبارہ چھاپ کر اس نایاب کتاب کو منظر عام پر لے آئی ہے۔

خواجہ قمر الدین سیالوی:

۱۴- خواجہ قمر الدین سیالوی فرماتے ہیں:

''میں نے تحذیر الناس کو دیکھا ہے، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کو اعلیٰ درجے کا مسلمان سمجھتا ہوں، مجھے فخر ہے کہ میری حدیث کی سند میں ان (مولانا محمد قاسم نانوتویؒ) کا نام موجود ہے، خاتم النبیین کے معنی بیان کرتے ہوئے جہاں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا دماغ پہنچا ہے، وہاں تک معترضین کی سمجھ نہیں گئی، قضیہ فرضیہ کو قضیہ واقعیہ حقیقیہ سمجھ لیا گیا ہے''۔

(ڈھول کی آواز، ص: ۱۱۷)

مولوی دیدار علی شاہ:

۱۵- مولوی دیدار علی شاہ حضرت نانوتویؒ کے متعلق لکھتے ہیں:

''مولانا و استاذ نا رئیس المحدثین مولانا محمد قاسم صاحب مغفور حضرت مولانا احمد علی صاحب مرحوم و مغفور محدث سہارن پوری کے فتوی اجوبہ سوالات خمسہ کی نقل زمانِ طالب علمی میں کی ہوئی احقر کے پاس موجود ہے''۔ (رسالہ تحقیق المسائل، ص: ۳۱)

سید پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی:

۱۶- مولانا محمد سعید صاحب مری والے بیان فرماتے ہیں کہ:

''میں حضرت پیر صاحب گولڑویؒ کی خدمت میں حاضر تھا، ایک شخص آیا اور اس نے دریافت کیا: آپ مولوی قاسم صاحب کے متعلق کیا خیال رکھتے ہیں؟ حضرت پیر صاحب نے جواباً فرمایا: تم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ علیہ کے متعلق پوچھتے ہو؟ سائل نے عرض کیا: جی ہاں، انہی

کے متعلق ۔حضرت پیر صاحب نے فرمایا: وہ حق کی صفت علم کے مظہر اتم تھے“۔

(اسوہ اکابر ص ۲۸-۲۷)

حافظ محمد حسین مراد آبادی:

۱۷- حافظ محمد حسین مراد آبادیؒ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے ہم عصر تھے اور آپ نے حضرت نانوتویؒ کو بہت قریب سے دیکھا ہے، وہ حضرت نانوتویؒ کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

”حضرت حاجی (مولانا محمد قاسم نانوتویؒ) خانہ خدا اور زائر روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، قصبہ نانوتہ کے اکابر صدیقی شیوخ سے ہیں۔ عالم، متقی و ربانی وحقانی اور واقفِ اسرار، شریعت وطریقت ہیں“۔ (انوار العارفین ص ۵۲۴)

حضرت مولانا سید عبدالحیؒ:

۱۸- حضرت مولانا سید عبدالحی والد ماجد مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ حضرت نانوتویؒ کے متعلق لکھتے ہیں:

”آپ (مولانا محمد قاسم نانوتویؒ) بہت ہی زیادہ زاہد اور عبادت گزار تھے، ذکر اور مراقبہ کا بھی بہت ہی کثرت سے اہتمام کرتے تھے اور علما وفقہا کے علامتی لباس یعنی عمامہ اور جبہ وغیرہ سے پرہیز کرتے تاکہ آپ لوگوں پر مخفی رہیں۔ اس زمانے میں آپ نہ کوئی فتوی دیتے، نہ ہی کوئی وعظ کہتے بلکہ صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ذکر اور مراقبے میں زیادہ سے زیادہ مشغول رہتے، یہاں تک کہ ان کی برکت سے آپ پر حقایق ومعارف کے دروازے کھل گئے“۔

(اقتباس الاعلام [نزھۃ الخواطر])

مولانا فقیر محمد صاحب جہلمیؒ:

۱۹- مولانا فقیر محمد جہلمیؒ نے 1880ء میں ”حدائق الحنفیہ“ نامی کتاب لکھی، جس میں انہوں نے حنفی علما اور فقہا کا تذکرہ کیا ہے، انہی علما کی فہرست میں آپ نے حضرت نانوتویؒ کا ذکر نہایت حقیقت پسندانہ کیا ہے، حضرت نانوتویؒ کا تذکرہ کرتے وقت یہ الفاظ بھی آپ کے مضمون کا حصہ تھے کہ:

”علامہ عصر، فہامہ دہر، فاضل متبحر، مناظر، مباحث، حسن التقریر، ذہین، معقولات کے گویا پتلے تھے۔ آپ لڑکپن ہی سے ذہین، طباع، بلند ہمت، تیز، وسیع حوصلہ، جفاکش، جری تھے“۔

(حدائق الحنفیہ ص ۴۹۲)

حافظ عبدالرحمن حیرت:

۲۰- حافظ عبدالرحمن حیرت اپنی کتاب ''سفینۂ رحمانی'' 1884ء سن طباعت میں حضرت نانوتویؒ کے متعلق لکھتے ہیں:

''بیشۂ فضل وکمال کے شیر، گل زارِ عشقِ الٰہی کی خوش بو، شبستان، طریقت وشریعت کی شمع، آسمانِ حقیقت ومعرفت کے خورشید، عالم کامل اور جود وسخا میں رشکِ حاتم، جناب حضرت مولوی محمد قاسم صاحب (اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو منور فرمائے) قصبہ نانوتہ کے برگزیدہ علما وفضلاء میں سے تھے، طرح طرح کے علوم کی منزلیں اور قسم قسم فنون کے رموز اور ان کے نشیب وفراز انہوں نے اپنی خداداد ہمت واستعداد سے کامل طور پر طے کیے تھے، انہیں کان علوم اور مخزن فنون کہنا چاہیے، ان کی توصیف میں منشی فکر وخیال جو بھی لکھے بجا ہے اور ان کی تعریف جس قدر بھی کی جائے زیبا ہے''۔

(سفینۂ رحمانی، ص: ۱۱۹)

مرزا آفتاب بیگ:

۲۱- مرزا آفتاب بیگ دہلویؒ اپنی کتاب ''تحفۃ الابرار'' سن طباعت 1957ء میں حضرت نانوتویؒ کے متعلق لکھتے ہیں:

''آپ (مولانا محمد قاسم نانوتویؒ) رؤسائے شیوخ صدیقی قصبہ نانوتہ کے ہیں۔ آپ کو اجازت ہر چہار طریقہ معروف کی حضرت حاجی محمد امداد اللہ سے تھی اور سند حدیث کی حضرت شاہ عبدالغنی مجددی رحمۃ اللہ علیہ سے تھی۔ محققانہ وعارفانہ کلام حقایق ومعارف آپ کا تھا۔ اثباتِ وجودی رطب اللسان تھے، توحیدی شہودی سے بھی انکار نہیں رکھتے تھے''۔

مولانا مشتاق احمد انبیٹھوی:

۲۲- مولانا مشتاق احمد انبھٹویؒ اپنی کتاب ''انوار العاشقین'' میں حضرت نانوتویؒ کے متعلق لکھتے ہیں:

''مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے اپنی تمام عمر میں جہاں تک ہمیں معلوم ہے، بوجہ کسرِ نفسی اور کمال تواضع کے کسی کو اپنا خلیفہ نہیں بنایا تھا۔ بیعت بھی حضرت قبلۂ عالم حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف نیابۃ کرتے تھے۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے عشق اور محبت میں فنا تھے''۔

(انوار العاشقین، ص: ۸۸)

مولانا حافظ شاہ محمد سراج الیقین:

آپ اپنی کتاب ''شمس العارفین'' سن طباعت 1333ھ میں حضرت نانوتویؒ کے متعلق لکھتے ہیں:

''جس شخص نے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کی تقریر سنی ہوگی یا تحریر دیکھی ہوگی وہ سمجھ سکتا ہے کہ کس معدن سے یہ علوم اور اسرار و حقایق آ رہے ہیں، آپ صاحب تصانیف عالیہ ہیں اور آپ کے مناظروں کی تقریریں بھی چھپی ہیں، جن میں عجیب وغریب تحقیقاتِ علمیہ اور نکات عجیبہ اور مضامین رفیعہ پائے جاتے ہیں، درحقیقت ایسا فاضل متبحر اور عالم محقق اس زمانے میں کوئی نہیں گزرا، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اس پایہ کے لوگ کہیں صدیوں کے بعد ہوتے ہیں۔ آپ نہایت پاکیزہ اخلاق اور منکسر المزاج تھے اور لباس نہایت سادہ اور معمولی موٹا استعمال فرماتے تھے۔ اور صفتِ قناعت بھی بہ درجۂ کمال آپ میں موجود تھی، ہمیشہ معمولی تنخواہ پر بسر فرمائی اور بڑی بڑی تنخواہوں کی نوکریوں کو پسند نہیں فرمایا۔ مدرسہ عالیہ دیوبند میں عرصہ تک آپ کا درس تدریس اور بے انتہاء فیض جاری رہا۔ اکابر علما آپ کے شاگرد ہیں''۔ (شمس العارفین،ص: ۴۷-۴۶)

سرسید احمد خان:

۲۴- حضرت مولانا محمد قاسمؒ کی وفات پر سرسید احمد خان نے ایک طویل تعزیتی مضمون لکھا، جن میں یہ الفاظ بھی شامل تھے:

''اس زمانے میں سب لوگ تسلیم کرتے ہیں اور شاید وہ لوگ بھی جو ان سے بعض مسایل میں اختلاف کرتے تھے، تسلیم کرتے ہوں گے کہ مولوی محمد قاسم اس دنیا میں بے مثل شخص تھے، ان کا پایہ اس زمانے میں شاید معلومات علمی میں شاہ عبدالعزیز سے کچھ کم ہو الاّ اور تمام باتوں میں ان سے بڑھ کر تھا۔ مسکینی اور نیکی اور سادہ مزاجی میں اگر ان کا پایہ مولوی اسحاق صاحب سے بڑھ کر نہ تھا تو کم بھی نہ تھا، درحقیقت فرشتہ سیرت اور ملکوتی خصلت کے شخص تھے اور ایسے شخص کے وجود سے زمانے کا خالی ہو جانا، ان لوگوں کے لیے جو ان کے بعد زندہ ہیں، نہایت رنج اور افسوس کا باعث ہے''۔ (علی گڑھ گزٹ، 24/اپریل 1880ء)

مولوی رحمن علی:

۲۵- مولوی رحمن علی اپنی کتاب ''تذکرہ علمائے ہند'' جو انہوں نے 1891ء میں لکھی، حضرت مولانا محمد

قاسم نانوتویؒ کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

”مولوی محمد قاسم نانوتویؒ بن شیخ اسد علی بن غلام شاہ بن محمد بخش بن علاء الدین بن محمد فتح بن محمد مفتی بن عبدالسمیع بن مولوی محمد ہاشم نانوتوی، ۱۲۴۸ھ/ ۱۸۳۲ء میں پیدا ہوئے، ان کا تاریخی نام خورشید حسین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جدت طبع اور جودت ذہن (ذکاوت، ذہانت، لیاقت) فطری طور سے ودیعت (سپرد کرنا، حوالے کرنا) فرمایا تھا“۔

علامہ شاہ محمد جمیل الرحمن حنفی قادری چشتی نظامیؒ:

۲۶- آپ اپنی کتاب ”تذکرہ وصال الجمیل“ جو آپ نے 1343ھ میں تالیف فرمائی، اس کتاب میں آپ نے حضرت نانوتویؒ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

”مولانائے موصوف عالم فاضل اور مشہور مناظر ہونے کے علاوہ نہایت عابد، زاہد، قانع، متوکل، نہایت خلیق واقع ہوئے تھے۔ عربی، فارسی نظم ونثر بے تکان لکھتے بولتے تھے، سیدھے سادے اتنے تھے کہ آپ کی وجع طرح پر علمیت کا گمان بھی نہ ہوتا تھا“۔

حضرت شاہ عبدالرحیم سہارن پوریؒ:

۲۷- مولانا محمد امیر باز خانؒ ”شہادات امیریہ“ میں تحریر فرماتے ہیں:

”خبر حسرت اثر مولانا و استاذنا مولوی محمد قاسم نانوتویؒ صاحب کی آئی تو حضرت (شاہ عبدالرحیم سہارن پوریؒ) نے آب دیدہ ہو کر فرمایا کہ آج میری پشت دو صدموں سے ٹوٹی ہے: ایک مرگ مولوی محمد قاسم کی ہے، دوم رحلت مولوی احمد علی صاحب (سہارن پوری) سے۔ یہ دونوں بزرگ وار بے ریا، متبع شریعت، مفیض اکمل تھے، مجھ کو ان کے باعث بری تقویت تھی۔ اب میں تنہا رہ گیا“۔　(شہادات امیریہ علی مکشوفات رحیمیہ، ص ۱۴)

حضرت شاہ فضل الرحمن گنج مراد آبادی:

۲۸- حضرت گنج مراد آبادیؒ کے خلیفہ مولانا شاہ تجمل حسین بہاریؒ اپنی تالیف ”کمالاتِ رحمانی“ میں لکھتے ہیں:

”اب بیعت کا جو عزم ہوا مجھ کو (مولانا شاہ تجمل حسین بہاریؒ) عقیدت اور غلامی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ سے تھی۔ آپ کو (حضرت گنج مراد آبادیؒ) کو کشف سے معلوم ہوا، آپ نے حضرت

مولانا کی تعریف کی کہ اس کم سنی میں ان کو ولایت حاصل ہو گئی"۔

مولانا محبوب الرسول صاحب الہ شریف ضلع جہلم:

۲۹- حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کو میں اولیاء سے سمجھتا ہوں، وہ اللہ تعالیٰ کی آیت تھے، اسلام اور علم کی جوان سے اللہ تعالیٰ نے خدمت لی ہے وہ انہی کا حصہ ہے"۔

(ڈھول کی آواز، ص: ۱۱۷)

پیر محمد کرم شاہ الازہری بھیرہ شریف:

۳۰-" حضرت قاسم العلومؒ کی تصنیف لطیف مسمی بہ تحذیر الناس کو متعدد بار غور و تامل سے پڑھا اور ہر بار نیا لطف اور سرور حاصل ہوا۔ علماحق کے نزدیک حقیقت محمدیہ علی صاحبہا الف الف تحیہ وسلام متشابہات میں سے ہے اور اس کی صحیح معرفت انسانی حیطۂ امکان سے خارج ہے، لیکن جہاں تک فکر انسانی کا تعلق ہے حضرت مولانا قدس سرہٗ کی یہ نادر تحقیق کئی شپرہ چشموں کے لیے سرمۂ بصیرت کا کام دے سکتی ہے۔ رہے فریفتہ گان حسن مصطفوی تو ان بے قرار دلوں اور بے تاب نگاہوں کی وارفتگیوں میں اضافہ کا ہزار سامان اس تحذیر الناس میں موجود ہے۔ آپ نے اپنے علمی، دقیق اور محققانہ انداز میں یہ واضح کرنے کی سعی فرمائی ہے کہ ہر قسم کا کمال علمی ہو یا عملی، حسی ہو یا معنوی، ظاہری ہو یا باطنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی کمال ہے"۔ (ڈھول کی آواز، ص: ۱۲۸-۱۳۰)

علامہ شبلی نعمانیؒ:

۳۱۔ علامہ شبلی نعمانیؒ نے ندوۃ العلماء کے ایک سالانہ جلسے میں کہا تھا:

"عربی کے بیسیوں مدرسے کانپور میں قائم ہیں وہ کس نے قائم کئے ہیں؟ سوداگروں نے، دنیاداروں نے، ۔۔۔۔۔۔ کسی عالم نے نہیں قائم کئے۔ سوائے مدرسہ دیوبند کے، جس پر ہم فخر کرتے ہیں جس کو مولانا قاسم مرحوم نے قائم کیا تھا۔ علاوہ اس کے مدرسہ کسی عالم نے قائم نہیں کیا"

(رپوٹ سالانہ ندوۃ العلماء ۱۹۱۲، ص: ۱۰۹۔ ۱۱۰)

مولانا غلام رسول مہر:

۳۲:- مولانا غلام رسول مہر حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ یوں خراج تحسین پیش

کرتے ہیں:

''بزرگان دیوبند میں سے جن مقدس ہستیوں کو اولین درجہ احترام واعزاز حاصل ہے، وہ حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی ہیں رحمتہ اللہ تعالی علیہم۔ان کے اسماء گرامی اس سرزمین کے آسمانوں پر ان درخشاں ستاروں کی طرح روشن ہیں، جو تاریکی کے وقت صحراؤں میں مسافروں اور سمندر میں ملاحوں کو راستہ بتاتے ہیں۔ وہ اپنی زندگیوں میں علم و ہدایت کے مشعل بردار تھے، جب اس دنیا سے رخصت ہوئے تو اپنے پیچھے پاکیزہ عملی نمونے چھوڑ گئے۔خصوصاً حضرت مولانا محمد قاسم اور حضرت مولانا رشید احمد کی تو ایک یادگار دارالعلوم دیوبند ایسی ہے جو تقریباً ایک صدی سے اس وسیع سرزمین میں دینی علوم کے قیام و بقا کا ایک بہت بڑا سرچشمہ رہی ہے۔اس کی آغوش میں سینکڑوں ایسی مقدس ہستیوں نے تربیت پائی جن کے کارنامے دین وسیاست دونوں کے دوائر میں قابل فخر ہیں''۔

(۱۸۵۷کے مجاہد ، ص ۱۶۳، سن اشاعت ۱۹۵۷)

سائیں توکل شاہ انبالویؒ:

۳۳- مولانا مشتاق احمد چشتی انبیٹھوی مؤلف ''انوارالعاشقین'' فرماتے ہیں:

''حضرت عارف باللہ شیخی توکل شاہ صاحب مجددی رحمۃ اللہ علیہ نے عاجز سے فرمایا تھا کہ میں نے ایک دفعہ خواب دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جارہے ہیں،مولانا محمد قاسم نانوتویؒ تو جہاں پائے مبارک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پڑتا ہے وہاں دیکھ کر پاؤں رکھتے ہیں،میں بے اختیار بھاگا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچوں،چناں چہ میں آگے ہوگیا''۔

(انوارالعاشقین،ص:۸۸)

یہ چند باتیں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ان کے ہم عصر اور بعد کے علما اور مشائخ کی ہیں۔جن میں ان حضرات کے بھی نام شامل ہیں،جن کے عقیدت مند آج حضرت نانوتویؒ کے خلاف زہر اگلتے نہیں تھکتے۔

آخر میں اپنی بات حدیث قدسی پر ختم کرنا چاہوں گا۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:''جب اللہ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو پکارتا ہے، جبرئیل علیہ السلام کو اور یہ فرماتا ہے کہ بے شک اللہ نے

فلاں کو دوست رکھا ہے سو تو بھی اس کو دوست رکھ، تو جبرائیل علیہ السلام اس سے محبت رکھتے ہیں۔ پھر جبرئیل علیہ السلام آسمانوں میں اعلان کرتے ہیں کہ اللہ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے، سو تم بھی اس سے محبت کرو، تو آسمان والے اس شخص سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر اس محبوب بندے کی قبولیت زمین پر اتاری جاتی ہے، یعنی زمین کے نیک لوگ اس کو مقبول جانتے ہیں اور اس سے محبت رکھتے ہیں اور جب اللہ کسی سے ناراض ہوتا ہے تو بھی اس طرح کرتا ہے یعنی اس کا الٹ"۔

(مؤطا امام مالک، جلد ا، حدیث نمبر: ۱۶۴۱)

اپنے بہت ہی محدود مطالعے پر چند حوالے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے محبت کرنے والے اور مقبول جاننے والے علماو مشائخ کے، ورنہ سچ تو یہ ہے کہ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے چاہنے والوں کی تعداد بلا مبالغہ لاکھوں میں ہے۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ اپنے اس محبوب بندے کے چاہنے والوں میں ہمارا شمار کرکے ہماری بخشش کا پروانہ جاری کردے۔ آمین

☆☆☆

محمد مجاہد ندوی (ارقم پبلک اسکول، ناگپور)

اسلام کا نظریۂ علم

اسلام ایک ایسا دین ہے جو علم کی بنیاد پر قائم ہے، علم کی بنیاد سے مراد یہ ہے کہ یہ امت ایک ایسی واحد امت ہے جس کو علم کی نشر واشاعت کی عظیم ذمہ داری عطاء کی گئی، اور یہ ایک ایسی عظیم الشان نعمت ہے جس سے صرف اس امت کو سرفراز کیا گیا، علم انسانیت کی معراج ہے، انسانی دل ودماغ کی تعمیر وتشکیل اور ذہنی قوتوں کی نشوونما علم کے ذریعہ ہی ممکن ہے، علم، دینی ودنیوی ترقی کا موجب اور معرفت حق کا واحد ذریعہ ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود کو بنیادی طور پر معلم قرار دیا ہے "انما بعثت معلما" میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ جب اس امت کے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معلم انسانیت ہیں تو اس امت کو بھی بجا طور پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانشینی میں معلم انسانیت اور معلم کائنات ہونے کا شرف حاصل ہے۔

اسلامی تصور کے مطابق علم ایک اکائی ہے، علم کی قدیم وجدید، مشرقی ومغربی اور دینی ودنیوی اعتبار سے تقسیم اسلامی تصور علم سے مطابقت نہیں رکھتی، اسلام کے مطابق علم خدا کا عطیہ ہے جو انسان کو پیش کیا گیا۔ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ قرآن، حدیث، فقہ اور اس کے مباحث جو مدارس میں پڑھائے جاتے ہیں یہ دینی علم ہے اور اصل علم یہی ہے، اس کے برعکس کالجز اور یونیورسٹیز میں پڑھایا جانے والا علم ایک فن ہے یا پھر دنیوی علم ہے، حالانکہ قرآن، حدیث اور اسلامی تاریخ پر نظر رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ مسلمانوں نے ہمیشہ ان علوم کو بطور علم حاصل کیا اور ان میں سے بیشتر علوم خود مسلمانوں کی ایجاد ہیں، اور اس کا اصل ماخذ قرآن و حدیث ہی ہے۔ علم کو سہولت کی خاطر علم دین اور علم دنیا میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ لیکن جہاں تک علم کی حقیقت کا تعلق ہے وہ ایک ہی ہے، شریعت کے علم میں اور دنیا کے علم میں کوئی تعارض یا تناقض نہیں ہے، بلکہ دونوں باہم معاون ہیں اور ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں، چنانچہ علم الفرائض کا جاننے والا علم ریاضی (Mathematics) اور علم فقہ کا عالم، زمانہ کے عرف واصطلاحات (Terminologies) اور موجودہ تجارتی نظام (Modern Business system) کا محتاج ہے، اسی طرح دینی ودعوتی میدان میں

سرگرم داعیوں کو جدید زبانوں اور محاورات (Modern Languages) کا جاننا اور علم جہاد بلند کرنے والے مجاہدین کو جدید اسلحہ (Modern Weapons) اور جدید طریقۂ جنگ (Modern War Fare) سے واقفیت ناگزیر ہے۔ اس پر دیگر دینی و دنیوی علوم کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ملنے کے بعد سب سے پہلے جو آیت نازل ہوئی وہ علم کے بارے میں تھی، اللہ تعالی فرماتا ہے: {اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۝}(۱)

ترجمہ: پڑھ اپنے رب کے نام سے جو سب کا بنانے والا، بنایا آدمی کو جمے ہوئے لہو سے، پڑھ اور تیرا رب بڑا کریم ہے، جس نے سکھایا قلم سے، سکھایا آدمی کو جو وہ نہیں جانتا تھا۔

یہاں اللہ رب العزت نے صرف اتنا کہا پڑھو، کیا پڑھنا ہے اس کی وضاحت نہیں کی گئی، بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ نے جو علم دیا تھا اس کے بارے میں کہا جارہا ہے کہ وہ پڑھو جو علم ہم نے آدمؑ کو سکھایا تھا، اور تمام مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ رب العزت نے آدمؑ کو جو علم سکھایا تھا وہ علم الاسماء تھا {وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا}(۲) (اور اللہ نے آدم کو تمام اسماء کی تعلیم دی) یعنی چیزوں کے نام اور ان کے خواص و آثار، دنیا کی نافع و مضر چیزیں، زمینی مخلوقات کے طبائع اور ان کے آثار وغیرہ، امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب " التفسیر الکبیر " میں بڑی شرح و بسط سے اس پر روشنی ڈالی ہے۔(۳)

الذی خلق: میں واضح طور پر اشارہ کیا جارہا ہے کہ اپنے رب کے نام سے ہر اس شے کا علم حاصل کرو جسے اللہ رب العزت نے پیدا کیا ہے۔ اللہ رب العزت نے جو کچھ تخلیق کیا ہے یا کائنات میں خالق و مالک کی ذات کے علاوہ جو کچھ ہے وہ ہمارے علم کے دائرہ نصاب میں آتا ہے۔ اگر انسان اس کرہ ارضی کے بارے میں علم حاصل کرتا ہے تو اسے ارضیات کا نام دیا جائے گا اور زمین کے اندر اور اس کی سطح پر رونما ہونے والے تمام تغیرات، تمام معدنیات اور اسکے وسائل زیر بحث آئیں گے۔ اگر نفس انسانی کے اندرونی احوال و کیفیات، شعور و لاشعور کے مباحث اور (Process Conscious) کو چھوتا ہے تو یہ علم، علم نفسیات کہلائے گا۔ اگر مادہ اور اس کے مظاہر طبعی (Physical Phenomena) میں حرکت وغیرہ کا علم حاصل کرتا ہے تو یہ طبیعیات کا علم ہوگا۔ اگر انسان کی حقیقت کے مبداء و منتہا کا عقل کی بنیاد پر تجزیہ کرتا ہے اور کائنات کی ماہیت اصلی اور انسان کے مقام و منصب کے اعتبار سے اس کے طرز عمل کا مطالعہ کرتا ہے تو اس علم کو

فلسفہ کہیں گے۔ اگر کائنات میں موجود مختلف اشیا کی کیمیائی ترکیب کا جائزہ لیتا ہے تو یہ علم، علم کیمیا (Chemistry) بن جائے گا۔ اگر ان کی زندگی کے حیاتیاتی پہلوؤں کا تجزیہ کرتا ہے اور مظاہر حیاتیات (Biological Phenomena) کا مطالعہ کرتا ہے تو یہ علم بیالوجی کہلاتا ہے۔ اس طرح جدید و قدیم علوم کی ایک فہرست ہے جو کائنات کے کسی نہ کسی پہلو کے بارے میں انسان کو غور وفکر کی دعوت دیتی ہے اور انکشافات کی نئی دنیا آباد کرتی ہے۔ (۴)

قرآن کریم میں خود صنعت (Technology) کا ذکر ہے، اللہ تعالیٰ حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں فرماتا ہے: {وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ} (۵) اور ہم نے داؤد کو زرہ بنانے کا علم دیا، یہاں اللہ رب العزت نے ٹیکنالوجی کا تذکرہ کیا ہے اور اس کو علم سے تعبیر کیا ہے کہ ہم نے ان کو اس کا علم دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تمام علوم اللہ رب العزت ہی نے لوگوں کو سکھائے ہیں، سائنس کیا ہے؟ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝۵ "اللہ نے انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا"، ٹیکنالوجی کیا ہے؟ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ، طبعی علوم اور سماجی علوم کیا ہیں؟، عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ "اللہ نے انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔"

قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے جابجا اپنی آیتوں (نشانیوں) پر غور وفکر کی دعوت دی ہے اور جو لوگ غور وفکر سے کام نہیں لیتے ان کی مذمت بیان کی گئی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: {وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ۝۱۰۵} (۶) "اور آسمان وزمین میں بہت سی نشانیاں ہیں جن پر یہ گزرتے ہیں اور ان سے اعراض کرتے ہیں"۔

یہاں اللہ رب العزت نے صاف اور دوٹوک انداز میں ان حضرات کی مذمت کی ہے جو اللہ کی آیتوں پر سے گزرتے ہیں اور انہیں دیکھتے ہیں پر اس پر غور وفکر نہیں کرتے۔ ظاہر ہے قرآن پاک کی مذکورہ آیت میں اللہ رب العزت کی آیتوں (نشانیوں) سے محض قرآن پاک کی وہ آیتیں مراد نہیں ہیں، جسے مکتب میں بیٹھ کر ایک بچہ حفظ کرتا ہے اور ایک عالم دین اس کے معانی ومطالب اور تفسیر وتشریح کا فریضہ انجام دیتا ہے، بلکہ ان آیتوں سے تمام مفسرین کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی وہ تمام نشانیاں (آیتیں) مراد ہیں جو زمین وآسمان میں بکھری پڑی ہیں۔

اسی طرح قرآن کریم نے سیکڑوں علوم جیسے فلکیات، ارضیات، طبیعیات، نباتات، جمادات اور حیوانات کا اجمالا وتفصیلا ذکر کرتے ہوئے انکے حقائق پر سے پردہ اٹھایا ہے، پھر زمین وآسمان میں تدبر وتفکر کی

دعوت دیکر ان جملہ علوم کی طرف متوجہ کیا گیا ہے جو انسان کے لئے پیدا کردہ کسی بھی مخلوق سے فائدہ اٹھانے کا راز اور طریقہ کار بتائے۔ گویا قرآن کریم کے حکم کے مطابق وہ سارے علوم پسندیدہ ہیں اور رضائے الٰہی کا ذریعہ ہیں جو انسان کو مخلوقات خداوندی سے فائدہ اٹھانے کا طریقہ بتائیں۔ قرآن کریم کی ان تعلیمات ہی کا نتیجہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علوم کی جملہ قسموں کو حاصل کرنے اور ان سے فائدہ اٹھانے کی تلقین فرمائی، حضرت زید بن ثابت کو عبرانی زبان سیکھنے کا حکم دیکر دعوت دین کے لئے علم لسانیات کی اور منجنیق بنا کر (جو اس زمانے کی توپ تھی) اسلام کے دفاع کے لئے اسلحہ سازی اور آلات حرب کی صنعت کی تائید فرمائی۔ گویا جملہ علوم معیشت، سیاست، مدافعت اور حرفت وصناعت وغیرہ کی نہ صرف تائید فرمائی بلکہ ان کو صحیح معنوں میں برت کر دکھایا۔

علمائے اسلام نے علم کی اس وحدت کو بہت سے اسالیب میں بیان کیا ہے، کسی نے احصائے علوم یا تقسیمات علوم کے نام سے بیان کیا، مشہور مسلمان فلسفی معلم دوم حکیم ابونصر الفارابی نے اپنی کتاب احصائے علوم میں (جو بڑی جامع اور انتہائی دقیق انداز میں لکھی گئی ہے) علم کی وحدت کو موضوع بنایا ہے(۷)۔ احصاء علوم کے بعد بھی تقریباً ہر دور کے اہل علم نے علم کی وحدت کے اسلامی تصور کو مختلف پہلوؤں سے اجاگر کرنے کی کوشش کی۔(۸)

اسلام میں علم کی کوئی تقسیم نہیں ہے، اور وہ کسی کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ کوئی اس کی تقسیم کرے، البتہ اسلام علم کو نافع وغیر نافع میں تقسیم کرتا ہے یعنی جو انسانوں کے لئے نفع بخش ہے اور ان کی زندگی کے مختلف شعبوں میں مفید وکارآمد ہو، اسلام کی نظر میں وہ علم نافع ہے اور وہ نہ صرف اس کی تائید کرتا ہے بلکہ اہل ایمان کو اس کے حصول اور طلب میں جدوجہد کرنے پر ابھارتا ہے، جبکہ علم غیر نافع (مثلاً جادو وغیرہ) کی اسلام مذمت کرتا ہے اور اس سے دور رہنے کی تاکید کرتا ہے۔

وحدت علم اور اسلام

اسلام کی آمد سے قبل علم مختلف سمتوں میں منتشر اور بکھرا ہوا بلکہ ایک شعبہ کا علم دوسرے شعبہ کے علم سے برسرپیکار اور ایک دوسرے کی دشمنی پر آمادہ تھا۔ طبیعیات کا علم دین کے خلاف سمجھا جاتا تھا، اور فلسفہ مذہبی عقائد کا مخالف تھا، لیکن اسلام نے اس تضاد واختلاف کو دور کیا، ان میں باہم صلح کرادی، اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جس نے علوم کی شیرازہ بندی کی، اور اسے مثبت، تعمیری ومفید بنانے میں اہم رول ادا کیا۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی لکھتے ہیں:

”علم کی کڑیاں بکھری ہوئی بلکہ بسا اوقات متضاد تھیں، علم طبیعیات وحکمت دین سے برسرپیکار تھے، حتی کہ ریاضی وطب جیسے معصوم علم کے ماہرین بھی بعض اوقات سلبی والحادی نتیجے نکالتے تھے، چنانچہ یونان کے علماء (جنہوں نے کئی صدیوں تک فلسفہ وریاضیات میں اپنا امتیاز قائم رکھا تھا) یا تو مشرک تھے یا ملحد تھے، اور یونان کے علوم اور مدارس فکر دین کے لئے خطرہ اور ملحدین کے لئے سند اور نمونہ بنے ہوئے تھے، اس صورت حال میں یہ اسلام کا بڑا احسان تھا کہ اس نے ایسی وحدت قائم کی جو تمام علمی اکائیوں کو مربوط کردیتی تھی، اور اس کے لئے ایسا کرنا اس لئے آسان ہوسکا کہ اس کا علمی سفر صحیح نقطۂ آغاز (Starting Point) سے ہوا تھا، اس نے اسے اللہ پر ایمان، اس سے مدد طلبی اور اس پر اعتماد کے ذریعہ اور (اقرأ باسم ربک الذی خلق) کی تعمیل میں شروع کیا تھا، اور آغاز کی صحت اکثر اوقات انجام کی صحت وخیریت کی ضمانت ہوجاتی ہے، اسلام نے قرآن وایمان کے فضل وفیض سے ایسی وحدت کا انکشاف کیا جو تمام وحدتوں کو مربوط کردیتی ہے، اور وہ وحدت اللہ تبارک وتعالیٰ کی معرفت ہے۔(۹)“

”اس طرح علم بامقصد، مفید اور اللہ تک پہنچنے کا ذریعہ بن گیا، اور اس نے اپنی کوشش انسانیت کی خدمت اور تمدن ومعاشرہ کی سعادت کے لئے وقف کردی، اور یہ طرز فکر انسانی فکر وعمل کی دنیا پر سب سے بڑا احسان تھا، جس نے انسانیت کی قسمت بدل دی اور فکر انسانی کا رخ تبدیل کردیا۔(۱۰)“

مسلمانوں نے فی الحقیقت اپنے علمی سفر کی ابتداء قرآن کریم اور اس کے علوم ومعارف سے کی، لیکن چونکہ دوسرے متعدد علوم قرآن وحدیث کے مقاصد کی تکمیل میں ممد ومعاون تھے، اس لئے مسلمانوں نے ان سے اعتناء کیا اور ان کو پروان چڑھایا، چنانچہ قرآن کریم کو تحریر کرنے کے لئے مسلمانوں نے کاغذ سازی اور قلم سازی کو ترقی دی، روشنائی کو چمک دار اور دیرپا بنانے کے لئے کیمیائی تجزیے کئے، اور یوں طبعی علوم کی ترقی میں حصہ لیا، جب یونان سے فکری چیلنجوں کا سلسلہ شروع ہوا تو مسلمانوں نے ان کا کامیابی سے مقابلہ کیا جس کے نتیجہ میں اسلامی فلسفے کی بنیادیں مضبوط ہوئی، دولت کی عادلانہ تقسیم اور اس کی اسلامی حیثیت واضح کرنے کے لئے امام ابو یوسف نے کتاب الخراج اور ابو عبید قاسم نے ”کتاب الاموال“ لکھیں، یوں علم معاشیات کو فروغ ملا، اسی طرح جب مسلمانوں کو دوسری حکومتوں سے واسطہ پڑا تو امام محمد بن حسن شیبانی نے بین الاقوامی

قانون (International Law) پر کتابیں لکھیں اور یوں بین الاقوامی قانون کو مسلمانوں نے فروغ دیا، امام غزالی، ابن خلدون جیسے مفکروں نے اپنے اپنے انداز میں ان علوم کو ترقی دی جنہیں آج عمرانی علوم (Social Science) کی حیثیت حاصل ہے، اسی طرح جو علوم بھی انسانوں کے لئے مفید و کارآمد اور قرآنی مقاصد کی تکمیل میں معاون تھے مسلمانوں نے ان کو حاصل کیا اور ان کے فروغ میں غیر معمولی حصہ لیا۔ مسلمانوں کی ان ساری علمی سرگرمیوں کی بنیاد ظاہر ہے قرآن وسنت پر ہی تھی۔

حواشی

۱۔ سورہ علق۔۱۔۵۔ ۲۔ سورہ بقرہ۔۳۱۔ ۳۔ تفصیل کے لئے دیکھئے ''التفسیر الکبیر''۔
۴۔ تصور علم (سورہ علق کی روشنی میں) ص ۲۲۔ ۵۔ سورہ انبیاء۔۸۰۔
۶۔ سورہ یوسف۔ ۱۰۵۔ ۷۔ دیکھئے ''احصاء العلوم''۔
۸۔ دیکھئے محمد بن یوسف خوارزمی کی کتاب ''مفاتیح العلوم''۔ ۹۔ اسلام اور علم ص ۲۱۔
۱۰۔ ایضاً ص ۲۲۔

☆☆☆

ماہنامہ الفرقان گذشتہ ۸۳ سالوں سے مسلمانانِ ہند کی ہر موقع پر رہنمائی کے فرائض کو انجام دیتا رہا ہے، باطل کی طرف سے اُٹھنے والے ہر فتنہ کے خلاف صدائے حق بلند کرنا یہ الفرقان کا امتیاز رہا ہے، یہ صرف ایک رسالہ نہیں، یہ ایک تحریک اور ایک مکتبۂ فکر ہے، قدیم صالح جدید نافع کا بہترین امتزاج، حکمت و دانش مندی اور اعتدال کے ساتھ ایمانی حمیّت وغیرت اسکی خصوصیت ہے!

آپ سے اپیل کی جاتی ہے کہ

ماہنامہ الفرقان کے پیغام کے ہر ہر گھر تک پہونچانے میں ہماری مدد کریں!

۞ سالانہ خریدار بنیں۔ ۞ اپنے متعلقین کو خریدار بنوائیں۔ ۞ اپنی جانب سے اہل علم و دانش کے لئے جاری کروائیں (آپ کے اِس تعاون سے مختلف اہل علم حضرات تک آپ کی طرف سے الفرقان بھیجا جائے گا)

۞ اپنے یا اپنے دوست/متعلقین کے حلال کاروبار کا اشتہار شائع کروائیں۔

ہم سے رابطہ کریں:

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ، ۳۱/۱/۱۱۴ نظیر آباد لکھنؤ، فون: 0522-4079758
E-mail:monthlyalfurqanlko@gmail.com

مولانا ڈاکٹر محمد طلحہ ندوی (رانچی)

اپنی ہم وطن ایک ہندہ سے ملاقات اور کچھ تأثرات

ہندوستان اور عالم اسلام کی موجودہ صورت حال پر مستقل گفتگو چل رہی ہے۔ اردو رسائل کے چند اہم مئوقر مدیران جن کی حقائق اور بنیادی مسائل پر ہمیشہ گہری نظر رہتی ہے اور وہ امت مسلمہ کو اپنی تقریروں اور تحریروں کے ذریعہ باخبر ہی نہیں بلکہ متنبہ بھی کرتے رہتے ہیں، ان میں مدیر الفرقان لکھنؤ، مفسر قرآن حضرت مولانا خلیل الرحمن سجاد نعمانی ندوی کا نام نمایاں ہے۔ انہوں نے ۲۰۱۴ کے پارلیمانی نتیجہ کے بعد ہی سے ملک کی صورت حال کا تجزیہ کرنا شروع کر دیا تھا جو ہنوز جاری ہے۔ انہوں نے الفرقان کا ستمبر تا دسمبر ۲۰۱۴ء کا شمارہ "**ملک کا نیا منظر نامہ اور مسلمانان ہند کی حکمت عملی**" کے عنوان سے ایک خاص نمبر کے طور پر نکالا، جس کی بڑی پذیرائی ہوئی اور ملک وملت کے درد رکھنے والوں کو بروقت اور صحیح رہنمائی ملی، جزاھم اللہ خیراً جزیلا! ملک کے موجودہ حالات کے تناظر میں چند تازہ مشاہدات وتأثرات پیش خدمت ہیں۔

حضرت مولانا سجاد نعمانی مدظلہ کے قائم کردہ ادارے "دارالعلوم امام ربانی" میں اپنے فرزند احمد انس کا داخلہ کروا کر گھر لوٹ رہا تھا۔ ۳۰ جولائی کا دن تھا ٹرین کے دروازے کے پاس لگے ہوئے بجلی ساکٹ میں اپنا موبائیل چارجنگ میں لگا کر side lower برتھ پر بیٹھا ہوا تھا کہ ایک معذور بچہ اخبار بیچتے ہوئے گزر گیا ،اس سے اخبار نہ لینے کا افسوس اس لئے ہوا کہ اس کی مدد ہو جاتی، میں سوچ ہی رہا تھا کہ کاش وہ لوٹ آتا کہ تھوڑی ہی دیر میں وہ بچہ آ گیا میں نے اس سے اخبار خریدا اور اس کی خیریت پوچھی تو اس نے اپنے حالات بتائے جو قابل رحم تھے۔ کچھ دیر کے بعد وردھا اسٹیشن پر گاڑی رکی تو ایک 65 سالہ عورت ایک نمبر سیٹ پر آ کر بیٹھ گئی۔ میں اخبار پڑھنے ہی والا تھا کہ اس نے میرے ہاتھ سے اخبار لیتے ہوئے کہا کہ آج اس کو پھانسی

ہوگئی۔ ذرا میں بھی دیکھوں، جیسے ہی یعقوب میمن کی تصویر پر نظر پڑی، وہ آگ بگولہ ہوگئی اور گالی دیتے ہوئے کہا کہ اس کو صرف پھانسی ہوئی؟ اگر میرے حوالے کر دیا جاتا تو اس کے ناک کان پہلے نوچتی اور ہاتھ پیر توڑتی اس کے بعد اس کو تڑپا تڑپا کر چپل کے مارتی، چاہے اس کی پاداش میں مجھے ہی پھانسی ہو جاتی۔ میں اس کی اس حرکت اور غضب ناک صورت کو دیکھ کر ششدر رہ گیا اور کچھ وقفہ کے لیے اُحد کے میدان میں خود کو کھڑا پایا اور ہندہ کی وہ حرکت یاد آگئی جو اس نے سید الشہداء حضرت حمزہؓ کے ساتھ کی تھی۔ پھر وہ مجھ پر ٹوٹ پڑی، جیسے کہ میں یعقوب میمن کا چھوٹا بھائی یا کوئی قریبی رشتہ دار ہوں۔ پچیسوں سال سے ٹرین پر سفر کر رہا ہوں لیکن اس طرح کا تجربہ پہلی بار ہوا۔ اس عورت کے بے باکانہ ہی نہیں بلکہ جارحانہ انداز نے مجھے جھنجھوڑ دیا، چند جملوں کے بعد یہ بھی کہتی جاتی تھی کہ بڑے بھائی برا نہ مانئے گا، میں نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا انٹی برا ماننے والی باتیں کیئے جارہی ہیں اور کہتی ہیں کہ برا نہ مانوں! یہ کیسا انصاف ہے؟ کچھ نرم ہوئیں پھر میں نے کہا اگر آپ برا نہ مانیں تو ایک بات کہوں۔ اس نے اجازت دی تو میں نے عرض کیا کہ صرف یعقوب ہی کو پھانسی ہونی چاہئے کہ اس طرح کے قتل عام کرنے والے تمام مجرموں کو پھانسی ہونی چاہئے؟ اس نے کہا تمام کو، پھر میں نے کہا اگر یعقوب مجرم ہے تو اس کے سر پر ڈھائی تین سو لوگوں کو مارنے کا الزام ہے۔ جس کے سر پر ہزاروں لوگوں کو مارنے کا الزام ہے اس کے ساتھ کیا ہونا چاہئے؟ جواب دیا کہ اس کو بھی پھانسی دے دینا چاہئے، تو میں نے کہا ملک کے پردھان منتری کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ جھٹ سے بول پڑی اس کو بھی پھانسی ہونا چاہئے اور بالکل نرم ہوگئی۔ میں نے کہا انٹی ایسا کہاں ہوا؟ آپ لوگوں نے تو انعام کے طور پر انہیں دیش کی سب سے بڑی کرسی دے دی۔ اس ملک میں اس طرح کی ناانصافی کیوں ہو رہی ہے اور کب تک ہوتی رہے گی؟ چند لمحوں کے لئے خاموش ہوگئی۔

دوران گفتگو ارد گرد کے تمام لوگ جمع ہوگئے اور وہ عورت شمع محفل بن گئی۔ زیادہ تر لوگ اس کی باتوں کی تصدیق کرتے رہے۔ عورت ذات وہ بھی برہمن، اکثریت دیکھ کر ان باتوں کو چھیڑنا شروع کیا جن باتوں کو بگاڑ کر کتابوں میں لکھا گیا ہے یا RSS اور V.H.P کے ذریعہ جھوٹے پروپیگنڈے کیئے جاتے ہیں۔ مثلاً مسلمان خوب بچے پیدا کرتے ہیں، تاریخی اعتبار سے اورنگزیبؒ کو برا بھلا کہنا شروع کیا اور اکبر بادشاہ کی خوب تعریف وتوصیف کی کہ وہی ایک اچھا حکمراں تھا اور اسکی ہندو نوازی کی تفصیلات بیان کرنے لگی (ان باتوں کو الفرقان کے اگست کے شمارہ کے نگاہ اولیں میں دیکھا جاسکتا ہے) میں اس کی نفرت انگیز باتوں سے دل برداشتہ ہوتا رہا اور جگہ جگہ مسکت جواب دیکر اس کی تیزی پہ قابو پاتا رہا، لیکن وہ رکنے کا نام ہی نہیں لیتی تھی

۔اس کا بس چلتا تو مجھے نوچ کھاتی۔ میں نے اس کو بہت پیار سے کہا،انٹی آپ مجھے اس لئے ستا رہی ہیں کہ میں مسلمان ہوں اور داڑھی ٹوپی والا ہوں، میں آپ سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں کہ ہم ہندوستانی مسلمانوں میں سے بہت سوں کے آباواجداد پہلے ہندو تھے۔ وہ بہت خوش ہوئی۔ پھر میں نے کہا آپ لوگ اتنا ظلم کرتے ہو ،ستاتے ہو اور طعنے دیتے ہو،اس کے باوجود ہم فخر سے کہتے ہیں کہ مسلمان ہیں،کیا وجہ ہے؟اس کے طوطے اڑ گئے اور قدرے جھلا کر کہتی ہے کہ تم لوگ ہی جانو۔ میں نے کہا اس سوال پر غور کرتے رہنا تمہیں جواب مل جائے گا۔اسی بیچ TTE آ گیا اس کو بھی اپنی گفتگو میں شامل کرلیا اور طعن وتشنیع کرتی رہی تو میں نے حب الوطنی کا درس دیتے ہوئے کہا کہ جو بھی اس ملک میں تفریق وانتشار کی باتیں کرے اس کی زبان کاٹ لینا چاہئے اور اس ملک دشمن کو اس ملک میں رہنے کا کوئی حق نہیں،لیکن وہ ’’نفرت ایکسپریس‘‘ رکنے کا نام ہی نہیں لیتی تھی۔ پھر کیا تھا اس نے گاندھی جی کو گالی دینا شروع کیا اور کہنے لگی اس بڈھے کی وجہ سے ملک تقسیم ہوا ۔پھر نہرو جی کا نمبر آیا ان کو بھی خوب برا بھلا کہا۔۔ تھوڑی دیر میں ناگپور اسٹیشن آ گیا اور وہ وہاں اتر گئی۔اسی درمیان اس کی دیش بھکتی کی حقیقت بھی کھل گئی! جب ٹی ٹی آیا تو ٹکٹ چیک بھی کیا اسی درمیان ایک نوجوان جنرل ٹکٹ لیکر ریزرویشن ڈبے میں بیٹھ گیا تھا۔ٹی ٹی نے پنالٹی کے طور پر غالباً ایک سوبیس روپئے مانگے،لیکن اس ’’دیش بھکت عورت‘‘ نے فوراً اس لڑکے کو کہا بیٹا پچاس روپئے دے دو،پھر ٹی ٹی کو کہا جانے دیجے پنالٹی مت کاٹئے اور اس نے اپنے ’’محبوب دیش‘‘ کو ستر روپئے کا نقصان کروادیا۔ یہ ہے ان لوگوں کی دیش بھکتی۔

اس عورت کے ٹرین سے اتر جانے کے بعد میں گہری سوچ میں ڈوب گیا۔اور تمام اکابرین کی باتیں ذہن ودماغ پر دستک دینے لگیں۔نصاب تعلیم میں جو زہر گھولا گیا ہے اور میڈیا کے فرقہ وارانہ کردار نے ملک کو تباہی کے دہانے پر کھڑا کردیا ہے اس کے اثرات عوام میں بھی ظاہر ہونے لگے ہیں۔ میری نگاہ میں وہ عورت فرقہ واریت کی ایک علامت بن گئی تھی۔جس ملک کی عورتوں میں اس طرح کے جراثیم پیدا کئے جارہے ہیں ان سے وجود میں آنی والی نسلوں کا کیا ہوگا؟اور آنے والے وقت میں متشرع لوگوں کے لئے سفر کرنا کتنا دشوار ہوجائے گا؟اور عام مسلمانوں کو ہندوستان میں رہنا کتنا دشوار ہوجائے گا اللہ تعالی ہی بہتر جانتا ہے۔

اسی سفر میں دوسرے دن یعنی 30 جولائی کی صبح دوسری ٹرین کے جس کمپارٹمنٹ میں بیٹھا تھا،وہاں کچھ لوگ اخبار بینی کررہے تھے اور فرنٹ پیج پر یعقوب میمن کی پھانسی اور جنازے کی خبر تھی۔کیا بتاؤں ایسا لگ رہا تھا کہ جنات بن کر یہ خبر میرا ہی پیچھا کررہی ہے اور مجھے محسوس ہونے لگا کہ لوگ مجھے یعقوب میمن کا بھائی یا رشتہ دار سمجھ رہے ہیں۔وہاں بھی طعنے ملنے لگے کہ اچھا ہوا،اس نے ایسا کیا تھا ویسا کیا تھا یعنی

1992 کے ممبئی بم دھماکوں کی جو تفصیلیں اور مرنے والے لوگوں کے رشتہ داروں سے جو انٹرویو لئے گئے تھے لوگوں پر اس کا خاصا اثر تھا۔ اور پھر چھیڑنا شروع کر دیا تو میں نے اپنی بات دہرائی کہ صرف یعقوب کو پھانسی کیوں دوسروں کو کیوں نہیں؟ سب خاموش ہو گئے، بہر کیف وہاں اچھی طرح ذہن صاف کیا اور منفی خیالات کو مثبت بنانے کی کوشش کی تب رانچی تک ساڑھے تین گھنٹے کا سفر کسی حد تک بہتر ماحول میں گذرا۔

لیکن سچی بات یہ ہے کہ سکہ کا یہ صرف ایک رخ تھا جو اپنے چہرے پر ناگوار اور مکروہ تصویر رکھتا ہے اور دوسرے رخ پر تو اس قدر خوشگوار حسین منظر کی تصویریں ہیں کہ مایوسی کے تمام بادل چھٹ کر امید کی کرنوں کی ضوفشانیاں ہی نظر آتی ہیں۔ اسی سفر میں میرے ہی کمپارٹمنٹ میں ایک پانڈے جی تھے جو جمعرات کو برت رکھتے تھے وہ اپنے مذہب کے مطابق روزہ سے تھے میں نے کہا پانڈے جی آپ روزہ سے بھی ہیں اور کھانا پینا بھی چالو ہے، بہت مزیدار روزہ ہے، ہنسنے لگے اور وہ کہنے لگے کہ آپ لوگوں کی طرح نہیں رکھ سکتے ان سے کچھ باتیں کر کے ''آپ کی امانت آپکی سیوا میں'' دی، بہت متاثر ہوئے۔ اسی طرح جب رانچی سے نیرل کے لئے جا رہا تھا، تو ایک عمر دراز برہمن شوہر بیوی ہمارے ساتھ تھے بہت ہی بااخلاق اور وضعدار لوگ تھے۔ رات گزرنے کے بعد دوسرے دن انہوں نے مذہبی باتیں شروع کر دیں۔ وہ لوگ ناسک کے قریب مشہور شیومندر جا رہے تھے کافی لمبی باتیں ہوئیں۔ عورت نے کہا اگر برا نہ مانیں تو ایک بات پوچھوں میں نے کہا شوق سے پوچھیں۔ ان کا سوال تھا گائے کھانے کو قرآن میں کہا گیا ہے کیا؟ میں نے جواب دیا جن جانوروں کو کھانا منع ہے ان کے بارے میں بیان ہے اور کھائے جانے والے جانوروں کے اشارے بھی موجود ہیں۔ پھر وہی پرانے سوال دہرائے گئے میں نے جواب دیا گوشت نہ کھانا بہت بڑا انیائے (ظلم) ہے۔ وہ چونک گئی اس کے بعد اس ظلم کی آدھا گھنٹے تک تشریح کی، میں نے ثابت کیا کہ گائے اور دوسرے حلال جانوروں کا نہ کھانا ملک اور انسانیت کے ساتھ غداری ہے۔ جب میں نے ایک ایک دلیل مع ثبوت پیش کی تو وہ لوگ ہر بات کی تصدیق کرتے رہے اور آخر میں اس عورت نے کہا موجودہ زمانے کا نوجوان سائنس اور حقیقی دلائل سے ثابت کرتا ہے اور وہ شاکاہاری ہونے کے باوجود گوشت خوری کو بالکل درست قرار دیتا ہے۔ اس کے بعد میں نے مورتی پوجا پر گفتگو شروع کر دی اور اپنے عمل کی تردید ان لوگوں نے کی اور توحید کے قائل ہو گئے اور اپنے عمل پر نادم ہوتے رہے، پھر کرشن اور رام کو بھگوان کے بجائے انسان ثابت کیا اسی طرح آخرت کے بارے میں سمجھایا۔ کئی لوگ جمع ہو گئے اور الحمدللہ تمام لوگ توحید کے قائل ہوئے اور اسی درمیان شرک سے توبہ کی گزارش کی اور اسلام وقرآن کی حقانیت سمجھائی گئی۔ دوران سفر ایک مراٹھی جوان لڑکی بھی

سامنے بیٹھ گئی تھی اس نے تو مورتی پوجا کی پول کھول دی۔ اس نے کہا کہ ہندوستانی عوام بہت سیدھی اور بے وقوف ہے یہ کیا کرتے ہیں ان کو خود پتہ نہیں ہوتا اور ہر چیز کی پوجا شروع کر دیتے ہیں۔ اس نے ایک مثال دی کہ اس کے گھر کے سامنے لوگ اپنے گھروں کا کچرا پھینکا کرتے تھے، لوگوں کو منع کر کے عاجز آ گئی تھی۔ محلہ والوں کو اس بری حرکت سے روکنے کے لئے ایک ترکیب سوچی، آدھی رات میں اٹھ کر تمام کچرے کو خود پھینکا اور اس مقام کو دھوکر پورا صاف کر دیا اور وہاں پر ایک پتھر رکھ کر قشقہ کھینچا اور سندور مالا چڑھا کر رکھ دیا اور رات کو آرام کر کے صبح کو دیکھتی ہوں کہ وہاں پوجا ارچنا جاری ہے اور لوگوں کا کوڑا کچرا پھینکنا بند ہو گیا۔ پھر بولتی ہے کہ بتاؤ وہ پتھر کیا کریگا میرا تو کام بن گیا۔ لوگ بیوقوف بن رہے ہیں۔۔۔ بہر حال اس عاجز نے دوران سفر پانچ چھ لوگوں کو توحید سمجھا کر اسلام کی حقانیت کی طرف ان لوگوں کو دعوت دی اور ایک بوڑھے آدمی جو کافی تعلیم یافتہ تھے ان کو دھیرے سے کہا اب تو توبہ کر لیجئے! مرنے کا وقت قریب ہے، کب تک دھوکے میں پڑے رہیں گے، انہوں نے کہا فون کرونگا۔ امید کرتا ہوں وہ برہمن فیملی ایمان لائے گی، انشاء اللہ فون پر گفتگو باقی ہے آپ حضرات بھی دعاء کریں کہ ان کو ایمان مل جائے اور جنت کے مستحق ہو جائیں۔

اب میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہندوستان میں دعوتی امکانات زیادہ ہیں یا جور و ظلم کا بازار زیادہ گرم ہے؟ میرا اپنا خیال ہے کہ 5 سے 10 فیصد لوگ شر پسند ہوتے ہیں باقی اکثر لوگ غافلین میں ہیں۔ ان تک اسلام نہ پہونچانا ظلم ہے یا نہیں۔ اگر ظلم ہے تو ظالموں کو اللہ پسند نہیں کرتا۔ امت مسلمہ کی بقاو ترقی کی ضمانت دعوت الی اللہ اور دعوت الی الاسلام میں مضمر ہے۔ اگر دعوتی راہ کو بھی حکمت کے ساتھ اپنا لیں تو سارے راستے کھل جائیں گے (انشاء اللہ) اور اللہ تعالی ہمارا براہ راست مددگار ہوگا، مصلحت پسندی اور بے جا خوف نے تباہی کے تمام دروازے کھول دئے ہیں۔ کاش اس عمر رسیدہ برہمن عورت کو بھی میں دعوت دے پاتا لیکن اس نے ماحول کو اتنا خراب کر دیا تھا کہ موقع ہی نہیں ملا۔ اللہ کرے ہندہ کی طرح وہ بھی دولت ایمان سے سرفراز ہو جائے۔ اس وقت ہمیں اپنے فرض منصبی کی جانب بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ اقبال کے شعر کے ساتھ اپنی بات کو ختم کرتا ہوں۔

فضول سمجھ کے جسے بجھا دیا تو نے
وہی چراغ جلاؤ تو روشنی ہوگی

☆☆☆